مئی 1984

الرشید

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

جلد: ۵ ٭ شمارہ: ۷ ٭ مئی ۱۹۸۴ء ٭ مطابق شعبان ۱۴۰۴ھ

دینی، اصلاحی، علمی، تصوّف وسلوک کا واحد مجلہ

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم) پاکستان

بانی

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

مدیر مسئول

حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی، اسلامیات)

مجلس ادارت اعزازی

پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی۔اے آنرز ایم۔اے

پروفیسر باغ حسین کمال ایم۔اے

مضامین

- اداریہ — مدیر
- اسرار التنزیل — حضرت مولانا محمد اکرم مناروی مدظلہ
- چراغِ مصطفوی — پروفیسر حافظ عبدالرزاق
- باتیں ان کی خوشبو خوشبو — ارشاداتِ شیخ مکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- خصوصی ہدایات — حضرت مولانا محمد اکرم مناروی مدظلہ
- اخلاص — فیض الرحمان۔ اسلام آباد
- دیکھتا چلا گیا — سیلانی کے قلم سے
- فرش تا عرش — پروفیسر باغ حسین کمال
- رفیقِ نبوت — صادق حسین طارق۔ ایم۔اے
- قارئین کے خطوط — خط۔ پروفیسر باغ حسین کمال

بدلِ اشتراک

سالانہ چندہ :-	۳۵ روپے
ششماہی چندہ :-	۱۸ روپے
فی پرچہ :-	۳ روپے
بیرونی ممالک کیلئے سالانہ چندہ :-	۱۰۰ روپے

برائے رابطہ:- **دارالعرفان** منارہ ضلع جہلم

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ۔ گنپت روڈ۔ لاہور

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا

اداریہ

معیارِ خیر و شر

ایک عظیم سیاسی بزرگ جو سب کے نزدیک دیندار، زاہد، پارسا، شب زندہ دار دین اور سیاسی سوجھ بوجھ والے راہنما مسلّم ہیں۔ ان کا بیان ایک روزنامہ میں نظر سے گزرا کہ "اب حالات ایسے ہیں کہ تقویٰ کو معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ عوام کو معیار بنانا چاہیئے۔"

یہ پڑھ کے خواہش یہ پیدا ہوئی کہ خدا کرے اخبار کی رپورٹنگ غلط ہو اور اگر خدانخواستہ صحیح ہے تو اس کے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

مگر اس دانشورانہ قومی خیر خواہی کی وجہ غالباً وہی ہے جس کی طرف اکبر الہ آبادیؒ نے اشارہ کیا تھا۔

دیارِ مغرب کی مٹی کچھ ایسی چکنی ہے
بڑے بڑوں کے قدم بھی وہاں پھسلتے ہیں۔

دیارِ مغرب کی مٹی ہی نہیں وہاں کے افکار و نظریات بھی ایسے زہد شکن ہیں کہ بڑے بڑوں کا پتّہ پانی ہوتا ہے۔ مغرب نے یہ سکھایا کہ اجتماعی زندگی کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ "جمہوریّت" ہے اور جمہوریّت معیاری وہ ہے جس میں بالغ رائے دہندگی کو

بنیاد بنایا جائے۔ یعنی اہل الرائے ہونے کیلئے بالغ ہونا کافی ہے۔ خواہ وہ بالغ جاہل، گنوار، چور اچکا، ڈاکو لٹیرا، زانی، شرابی ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی مغرب نے یہ سبق پڑھایا کہ جمہوریت کا بنیادی تصور ہی یہ ہے کہ معیار عوام ہیں۔ آسمانِ مغرب سے اس وحی کے نزول کے بعد اس کا انکار کفر سے کم کیوں ہونے لگا۔

حضرت ناصح کا یہ ارشاد سر آنکھوں پر مگر سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ دین بالخصوص اسلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنا ایک معیار دیتا ہے۔ اگر اجتماعی زندگی میں معیار عوام ہیں تو گویا اس شعبے میں اسلام کی ضرورت نہیں۔ رہنمائی اور فیصلہ کے لئے عوام کافی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اگر اسلام سے دستبرداری کا اعلان کیا جا سکتا ہے تو انفرادی اور شخصی زندگی میں اسلام سے معیار خیر و شر کیوں مستعار لیا جائے۔ عوام اگر اجتماعیت میں معیار تسلیم کئے جا سکتے ہیں، تو انفرادیت میں معیار تسلیم کرنے میں کون مانع ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اسلام سے رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھئے کہ نفاذِ اسلام کی بسم اللہ اس نظریے سے ہو رہی ہے، اب ایسے اسلام کی بہار کی تصویر بچشم تصور سے مشاہدہ کر لیجئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عوام کو معیار بنانے کا تجربہ کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ کہیں کوئی ابہام ہے، تردّد ہے، شک ہے۔ ان معیار نے جو "معیاری افراد" عطا کئے، ان کے فیوض و برکات کیا کوئی ڈھکی چھپی بات ہے۔ اول تو عوامی نمائندوں کے ہاتھوں ہی عوامی نمائندے خصوصی جیلوں میں سڑتے رہے اور جو بچ رہے وہ ملک چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور ان کی جائیدادیں ضبط ہو رہی ہیں اور خال خال وہ ہیں جو اپنے "کارہائے نمایاں" کی وجہ سے کیفرِ کردار کو پہنچے اور کچھ عوامی نمائندے وہ ہیں جنہوں نے ملک کے حصے بخرے کر کے قوم کا "بوجھ" ہلکا کر دیا کیا اسی معیار پر پرکھے ہوئے نمائندوں کے ذریعے اسلام نافذ کرنے کے ارادے ہیں؟ ہاں ان کی مدد سے وہ اسلام تو نافذ ہو سکتا ہے جس میں معیار خیر و شر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دیا ہوا نہ ہو بلکہ عوام کا دیا ہوا ہو۔ مگر اسے اسلام کس منہ سے کہو گے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جس جمہوریت کے فراق میں ہمارے یہ سیاسی بزرگ گھلے جا رہے ہیں کبھی اس کی حقیقت پر بھی غور فرمایا یا یونہی بلا تکلف فرما دیا کہ اسلام تو عین جمہوریت ہے۔ جمہوریت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عوام کی حکومت، عوام پر اور عوام کیلئے۔

اور اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ان الحکم الا للہ۔ کتنے وسیع النظر ہیں وہ دانشور جو ان دونوں نظریات کو ایک ہی بات سمجھتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نور اور ظلمت زہر اور تریاق، پستی اور بلندی، زمین اور آسمان ایک ہی چیز ہے تو یہ کہنے میں کون مانع ہو سکتا ہے کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہی چیز ہے۔

نظری اور فکری بنیاد سے ہٹ کر اگر اس کے عملی پہلو پر غور کیا جائے تو یہ فرق اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مثلاً جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ۵۱ آدمی کہہ دیں کہ شراب اور زنا حلال اور جائز ہے اور ۴۹ کہیں کہ حرام ہے، تو یہ حلال قرار پائیں گے۔ اور اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دنیا بھر کے انسان یک زبان ہو کر کہہ دیں کہ شراب اور زنا حلال ہے، جب بھی وہ حرام ہی ہوں گی کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دئیے ہیں۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ مغرب میں اسی عوامی معیار کے مطابق آج ایک چیز حلال ہوتی ہے کل حرام، اسی طرح آج حرام ہوتی ہے کل حلال، گویا عوامی معیار لبس سیمابی خاصیت رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک پہلو مزید قابلِ توجہ ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ کسی شئے کا موجد اس شئے کے ظاہری و باطنی حسن و قبح سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ مغربی جمہوریت کا موجد مغرب ہی تو ہے اور مغرب ہی کے مفکر اپنی اس ایجاد کے متعلق یہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(ا) کارلائل:۔ "جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں اقتدار، لاف زنی کرنے والے، دھوکا باز وں کے حصے میں آتا ہے۔"

ہمارے یہ بزرگ ذرا اپنے ماضی قریب میں جھانکیں۔ کیا انہیں کہیں "ایک ہزار سال تک لڑیں گے"، کی "بڑھک" کی گونج سنائی دیتی ہے۔ کیا اس مغربی مفکر کے دعویٰ کے ثبوت تلاش کرنے کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت ہے۔

(ب) ہیرلڈ لاسکی:۔ (جمہوریت کا بحران) رائے عامہ کا سرچشمہ نہ تو علم ہے نہ عقل و فہم بلکہ اسے ہمیشہ اپنے گروہ کے مفادات جنم دیتے ہیں۔

گویا ہمارے بزرگ رہنما کا مشورہ یہ ہے کہ عوام کو معیار بناؤ۔ یعنی معیار وہ ہونا چاہیئے جس میں نہ علم ہو نہ عقل و فہم۔

کاش جسمانی اعتبار سے آزاد ہونے والی قوم اور اس کے رہنما ذہنی طور پر

بھی آزاد ہوتے۔ مگر افسوس کہ یہاں نگاہ غلام، ذہن غلام، سوچ غلام، ضمیر غلام، عقل غلام، اور اس غلامی پر رضا مندی نہیں، یار لوگ نازاں بھی ہیں۔

بیا در ید گر اینجا بود زباں دانے
غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد!

(۲)

مَوْتُ العَالِمِ مَوْتُ العَالَمِ

عالم دو ہیں۔ عالمِ اجسام اور عالمِ ارواح، یا عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت، یا عالمِ ظاہر اور عالمِ باطن، یا عقل وذہن کی دنیا اور قلب وروح کی دنیا۔ اسی وجہ سے عالِم بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کتابی علوم سے آشنا کر کے ذہن اور عقل کو جلا دیں ایک وہ جو سکھاتے ہیں کہ ؎

ہر معنئ پیچیدہ در حرف نمی گنجد
یک لحظہ بہ دل درشو شاید کہ تو دریابی

ایک علم سے ذہن بدلتے ہیں۔ دوسرے علم سے دل کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے اس ہستی کا وجود جو جامع ہو علومِ ظاہر اور علومِ باطن کا۔ جو قرآن کے سمندر میں غوطہ زن ہو تو "الدین الخالص" کے نام سے وہ موتی نکال لائے جن کی مثال نہ مل سکے۔ جو حدیث میں غور کرے تو "حیاتِ انبیاءؑ اور حیاتِ برزخیہ" سے انسانیت کو آشنا کر دے۔ جس کی نگاہ قرآن وحدیث کی روح تلاش کرنے لگے تو "دلائل السلوک" کی روح پرور نسیمِ سحر کے جھونکے محسوس ہونے لگیں۔ جو عقیدہ وروح کی بیماریوں کی تشخیص کرنے لگے تو "تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین" اور "ایمان بالقرآن" جیسی نادر کتب سے دنیا کو آشنا کر دے۔ اور جو انسان سازی اور تزکیۂ نفوس کا عمل شروع کرے تو پچیس برس کی مختصر سی مدت میں وہ منظر سامنے آنے لگے کہ دیکھنے والے بے اختیار کہہ اٹھیں کہ!!

"چوروں قطب بنانے والوں کے تذکرے کتابوں میں پڑھے تھے مگر آج یہ منظر سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

ایسی نابغۂ روزگار ہستی حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ جو قریبًا ایک مہینہ علالت کے بعد ۱۸ر فروری کو شام کے ۳۰-۶ بجے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۹ر فروری کو آپ کے آبائی گاؤں چکڑالہ میں جنازہ ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ اور

کسی اہلِ دل نے کہہ دیا :

" رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار "

وہ نظر آتا ہے دیکھو علم وعرفان کا مزار ۔

یوں لگتا ہے کہ متوسلین کے ہجوم کو دیکھ کر قبر سے یوں آواز آ رہی ہے

بھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا

جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

کتابوں کی صورت میں آپ کی تصانیف کی تعداد اٹھارہ ہے اور آپ کی چلتی پھرتی اور زندہ تصانیف کا شمار نہیں ۔ زندہ تصانیف میں آپ کے شاہکار مولانا محمد اکرم منارؤی ہیں ۔ جو لوگ انہیں جانتے ہیں سو جانتے ہیں جو نہیں جانتے ان کیلئے مختصر سا تعارف کافی ہے کہ ایک متشدد عالم دین نے حضرت استاد مکرم کے متوسلین میں سے ایک ایسے عالم دین سے جو درس نظامی کی سندِ فراغت کے ساتھ تین مضامین میں ایم ۔ اے کی ڈگری بھی رکھتے ہیں کہا کہ بھئی اور لوگ تو جاہل ہیں جو مولوی اللہ یار خان کے گرد جمع ہو رہے ہیں ۔ تم جو دینی اور دنیوی علوم کے ماہر ہو تم نے ان کی کونسی کرامت دیکھی ۔ جو ان کا دامن تھام لیا ۔ اس جدید وقدیم علوم سے آشنا نے صرف اتنا کہا کہ بھئی میں نے تو ان کی زندہ کرامت " اکرم " کو دیکھا ہے ۔ پوچھنے والا اس علاقے کا آدمی تھا ، واقف تھا کہنے لگا کہ واقعی تم نے مجھے لاجواب کر دیا ۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے

خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر ہے جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا !

اب نہ تعجب کی گنجائش ہے ، نہ اعتراض کی ۔

جانے والے جا رہے ہیں اور رہنے والوں کو منزل کی فکر کی دعوت دیتے جا رہے ہیں ۔

موت سے ہے بر حق باری باری آخر سب کو مرنا ہے ۔

فرق ہے لیکن اہلِ ہوس اور عارف کے مر جانے میں ۔

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ الرَّشِیْدٌ ۝

اسرار التنزیل

(حضرت مولانا محمد اکرم صاحب اعوان مدظلہ العالی)

اللہ تعالیٰ کہ اس کائنات کا خالق ہے، واحد اور یکتا، بے مثل اور بے مثال ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور گلہائے رنگا رنگ اور مہر و ماہ کو تخلیق فرمایا۔ وہی انسان اور دنیا و مافیہا کا بھی خالق ہے۔ اس نے اس دنیا میں رہنے بسنے کے لئے ایک ضابطہ و نظام وضع فرمایا ہے۔ اس نے کائنات و انسان کو پیدا کر کے یونہی چھوڑ نہیں دیا کہ جس وادی میں چاہے بھٹکتا پھرے اور ہلاک ہو جائے بلکہ اسے دنیا میں رہنے بسنے، اس سے فائدہ اٹھانے اور یہاں سے کمالات حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اور اس کے حصول کیلئے کچھ قواعد و ضوابط اور آئین مرتب فرمایا اور اسی نظام کا نام اسلام ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی کچھ لوگ بستے ہیں وہ اپنے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ ایسا ضرور وضع کرتے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر اطمینان سے شب و روز گزار سکیں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں سرفراز وہی معاشرہ رہا ہے جو خالقِ کائنات نے یہاں رہنے بسنے کیلئے تجویز فرمایا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو کسی چیز کا بنانے والا ہوتا ہے وہ استعمال کرنے والے کی نسبت اس چیز کی اچھائیوں اور خامیوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ موٹر کو بنانے والا، موٹر چلانے والے کی نسبت اس سے زیادہ آگاہی رکھتا ہے۔ پھر جب کوئی چیز بنائی جاتی ہے تو اس کے استعمال کا بھی کوئی قرینہ سلیقہ وضع کیا جاتا ہے۔ کاریگر نے جوتا پاؤں میں پہننے کے لئے بنایا ہے کہ پاؤں کی کانٹوں اور پتھروں سے حفاظت کرے گا۔ مگر جب کوئی شریف آدمی اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر دستانوں کے طور پر ہاتھوں پر چڑھا لے تو وہ اس کیلئے باعثِ زحمت بن جائے گا۔ دنیوی اشیاء میں تو کاریگر کی بنائی ہوئی چیزیں ہم اپنی اٹکل سے شاید کوئی تبدیل کر ہی لیں، مگر اس کائنات کا بنانے والا وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کی اور انسانی تخلیق میں ایک بیّن فرق ہے۔ انسان کے بس کا روگ نہیں کہ وہ بھیڑ سے بھیڑیا بنا لے۔

موجودہ دور میں انسان نے عقل سے کام لے کر

وہ حیرت انگیز ایجادات کی ہیں کہ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ہوائی جہاز اور راکٹ بنائے ہیں مگر ایک مچھر کا پر ٹوٹ جائے تو اسے مرمت کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ انسان ایک ریل گاڑی تو بنا سکتا ہے مگر ایک حقیر سی مکڑی صرف انڈے ہی سے برآمد ہو سکتی ہے۔ اسے کسی کار خانے میں نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح گھاس کا ایک ادنیٰ سا تنکا اس کی وحدانیت پر شاہد ہے۔ اپنی ان خصوصیات کے ساتھ جن کو ایک گھاس کا تنکا لے کر زمین سے پھوٹتا ہے، بڑی سے بڑی مشینری اسے اس طرح سے ترتیب نہیں دے سکتی۔ بقول عارف ؎

ہر گیاہ کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

ہر گھاس کا تنکا اس کی وحدانیت پر شاہد ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں اللہ کریم کے اور کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تخلیق باری اور صنعت انسانی میں ایک واضح فرق ہے۔ اس کی بنائی ہوئی چیزوں میں ہم نہ تو کوئی تبدیلی لا سکتے ہیں اور نہ انہیں توڑ پھوڑ سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو یہی کہ جو چیز پاؤں میں پہننے کیلئے بنائی اسے بطور دستانہ استعمال کریں اور پھر شکوہ کریں کہ اس سے آرام نہیں ملتا۔ زندگی بڑی بے چین ہے۔ دُعا فرمائیں! بھلا یہاں دعا کیا کرے گی۔ جب تک جوتے کو ہاتھ سے اتار کر پاؤں میں نہیں پہنے گا، آرام آنا محال ہے۔

سو جب ادنیٰ سی چیز کا غلط استعمال اس قدر ایذا کا سبب بن سکتا ہے تو اگر ہم پوری زندگی کو مطلق العنان ہو کر اللہ کریم کی اس وسیع کائنات میں غلط اور بے تکا استعمال شروع کر دیں گے تو سکون کہاں سے آئے گا، اور آرام کیسے حاصل ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰایھا الذین امنو۔ اے وہ لوگو! جنہیں میری ذات پر اعتماد ہے۔ جنہیں میرے خالقِ حقیقی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر پورا ایمان ہے جو قرآن کریم کو اللہ کی کتاب سمجھتے ہو۔ اسلام کو اس طرح قبول کرو کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، وضع قطع، کلام، اخلاق، کاروبار، تجارت، ملازمت غرض دنیا کا کوئی شعبہ، زندگی کا کوئی پہلو ہو، اسلامی رنگ لئے ہوئے ہو۔ ایک مسلمان پر یہ حق بنتا ہے کہ اس کی ہر حرکت سے دیکھنے والا یہ کہہ سکے کہ یہ مسلمان نظر آتا ہے۔ یہ ہے ادخلو فی السلم کافۃ۔

اسلام چند رسومات کا نام نہیں ہے۔ نماز افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن صرف نماز اسلام نہیں ہے اسلام نام ہے زندگی کی ہر حرکت و سکون کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہو جانا۔ چند رسومات کو رسماً، رواجاً یا وراثتاً اپنا لینا کافی نہیں ہے۔ اللہ کریم کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اسی نے ہمیں مسلمان گھرانوں میں پیدا فرمایا۔

اللہ کا شکر ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو نماز، روزہ حج، زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے دیکھا، ان کے اس حسنِ عقیدت کے نتیجہ میں کوئی نہ کوئی نماز ہم بھی پڑھ لیتے ہیں۔ کبھی پانچ پڑھ لیں۔ کبھی کوئی چھوٹ گئی۔ کبھی تلاوت کر لی۔ کوئی نہ کوئی نیکی نصیب ہو جاتی ہے ورنہ جس شَے کا نام اسلام ہے اسے ہم نے خلط ملط اور گڈ مڈ کر کے رکھ دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر ایک سانس سکون کا نصیب ہو تو آٹھ سانس جلتے ہوئے اور سینے کو جلاتے ہوئے آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر ہم ایک قدم صحیح سمت کو اٹھائیں تو دس گمراہی کے خارزار میں ہوتے ہیں۔ آخرت کی بات تو الگ ہے۔ اس دنیا میں آرام سے رہنے کیلئے بھی اسلام کی تعلیمات پر کماحقہٗ عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف ادوار اور حالات ہیں۔ ایک تو اس کی وہ حالت ہوتی ہے جب اس کا جسم ذرات کی شکل میں کہیں دور دراز منتشر ہوتا ہے۔ وہ ذرات زمین کے وسیع سینے پر پھیلا دئے گئے ہیں۔ کوئی شَے دنیا کے اس کونے میں تو دوسری اس گوشے میں ہے۔ پھر اللہ کریم اس مٹی کو مختلف اشکال عطا فرماتے ہیں۔ ہوتی اصل میں وہی مٹی ہے۔ جس سے وجود کی تعمیر ہوتی ہے۔ کہیں وہ گنے کی شکل اختیار کرتی ہے، کہیں وہ غلہ کی صورت میں تیار ہوتی ہے، روئی کہیں پیدا ہوتی ہے، کپڑا کہیں تیار ہوتا ہے۔ کہیں اس بنولہ کو گائے بھینس کھاتی ہے پھر اس کے وجود میں دودھ بنتا ہے۔ اتنی شکلیں تبدیل کرنے کے بعد وہ دودھ ان اجزائے خاکی اور آبی پہ مشتمل ہوتا ہے جو کسی وجود کا جزوِ بدن بننے والے ہیں۔ اور یوں وہ پھرتا پھراتا اس انسان تک پہنچتا ہے جس کے وجود کا اجزاء اس نے بننا ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی گوشے میں کوئی جنس پیدا ہو وہ منڈی میں دستیاب ہو جاتی ہے۔ تاجروں کے ہاں جاتی ہے گوداموں میں رکھی جاتی ہے۔ گاڑیوں میں لدتی ہے کارخانوں میں پستی ہے، چھٹتی ہے سینکڑوں صورتیں بدلنے کے بعد یقیناً اور قطعی طور پر اس انسان کے پاس وہ پہنچ جاتی ہے جس کا وجود اس سے تعمیر ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی یا حادثاتی نظام نہیں ہے۔ اگر اتفاقی ہوتا تو اب تک تباہ ہو چکا ہوتا۔ یہ ایک طے شدہ مکمل پروگرام ہے۔ ہر ذرے کو اس کی اپنی ڈیوٹی تقسیم ہو چکی ہے۔ ہر قطرۂ آب کی نوکری لگ چکی ہے۔ اسے پہنچانے والے، چلانے والے، بنانے والے اور اس میں رنگوں کی آمیزش کرنے والے اس پر مقرر ہیں۔ وہ اسے بناتے ہیں، سنوارتے ہیں، چلاتے ہیں دکانوں اور منڈیوں سے گزارتے ہوئے اسے اس انسان کے منہ میں پہنچا دیتے ہیں جس کے لئے وہ لقمہ مقدر ہو چکا ہے۔ بلکہ اس سے آگے بھی دیکھئے ایک انسان غذا کھاتا ہے۔ اس سے اللہ کریم جتنے اور انسانوں کو اس کی پشت سے نکالنا چاہتا ہے ان کی غذا کا ایک لطیف عنصر بھی اس کے منہ میں جاتا ہے

اور اللہ کریم کی تقسیم ایسی بے نظیر ہے کہ اس کے اپنے جسم کے اجزاء تو گوشت اور خون بن جاتے ہیں لیکن پیدا ہونے والے کے ذرات کو صلب میں محفوظ کر دیتا ہے وہ اس کے وجود پر خرچ نہیں ہوتے۔ اور اس ترتیب سے جب وہ اکٹھے چلے آتے ہیں تو اللہ کریم انہیں باپ سے ماں کی طرف منتقل فرما دیتے ہیں۔ تو جس کا نطفہ ماں کی امانت بن گیا۔ اس کی غذا کو باپ سے کاٹ کر ماں کی طرف لگا دیتے ہیں۔ کھاتی تو ماں ہے لیکن اس کا جزوِ بدن وہی مٹی بنتی ہے جو اس کے اپنے نصیب کی ہے اور جو بچے کی ہے وہ اس کے پیٹ میں جا کر ایک معدے میں حل ہو جاتی ہے اور ایک جگر میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ ایک وجود کی رگوں اور نسوں میں خون دوڑتا ہے لیکن اس کے وجود پر وہی اجزاء چڑھتے ہیں جو اس کا حصہ ہے۔ بچے کا حصہ اس کے پیٹ میں تقسیم ہو کر اس کی طرف چلا جاتا ہے۔ یوں جب اللہ کریم اس کے روح کو عالمِ امر سے اس آمیزے کے ساتھ ماں کے پیٹ میں ملا دیتے ہیں تو یہ زندگی کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ روح کی عالمِ امر والی زندگی کا مرحلہ ختم ہو گیا اور ماں کے پیٹ میں آ کر دوسرا دور شروع ہوا۔ جب وہ وقت پورا کر چکتا ہے تو وہ زندگی منقطع ہو گئی اور وارد دنیا میں آ گیا۔ اور یہاں اس کے لئے کام کرنے کے مواقع ہیں۔ اللہ کریم نے اس روح کو ایک ہتھیار یا وجود کی سواری دے دی۔ اس وجود کا رازق وہ خود ہے۔ لیکن اسباب کا ایک حجاب پیدا کر دیا گیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ فلاں وجہ سے یہ کام ہوا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انجن بڑا طاقتور ہے جو گاڑی کو کھینچ رہا ہے۔ کوئی زیادہ باریک بین ہو تو کہتا ہے کہ ڈرائیور نہ ہوتا تو انجن بھی کھڑا رہتا کوئی اس سے بھی آگے دیکھتا ہے تو اس کی روح کو پا لیتا ہے کہ اس کا الیکٹرک کرنٹ چھوڑ دو تو ڈرائیور بھی بیکار بیٹھا رہے گا۔ سو یہ مختلف اسباب ہوتے ہیں کسی کی نگاہ تو اس ذاتِ حقیقی تک جا پہنچتی ہے جو ساری کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اور کوئی انجنوں، ڈرائیوروں اور پہیوں کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اس پروگرام کو چلاتا ہے۔ روح ایک جسم لطیف تھا اس لئے اسے دنیا میں رہنے اور کام کرنے کیلئے جسم کا آلہ دے دیا گیا اور اس پر گرمی اور سردی کو مسلط فرما دیا۔ اس کے ساتھ ضروریاتِ زندگی وابستہ کر دیں۔ اور ان ضروریات کو پورا کرنے کا سامان کائنات میں پھیلا دیا۔ اب اس کیلئے ایک امتحان رکھ دیا کہ انہی احتیاجات کو میرے بنائے ہوئے قانون کے مطابق پورا کرتے رہے تو تو کامیاب ہے۔ میں تجھے فرش سے اٹھا کر عرش نشیں بنا دوں گا۔ لیکن اگر میری اتنی رحمتوں کے باوصف تو میری خدائی میں مطلق العنان بنے گا تو تجھے اسفل السافلین میں پھینک دوں گا۔ سو اس دنیا میں آ کر اس کا دوسرا دور ختم ہو گیا۔ اس دور کے انجام پر جسے ہم موت سے موسوم کرتے ہیں زندگی کی اصل ابتدا

ہوتی ہے ۔ الذی خلق الموت والحیٰوۃ ۔
اللہ کریم نے موت و حیات کی تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے
موت کو حیات سے مقدم رکھا ہے ۔ گویا موت آنے
سے اصل زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ سو ہر وہ کام جو
ہم دنیا میں انجام دیتے ہیں وہ ہماری اس ہمیشہ کی
زندگی پر ایک نقش ثبت کر دیتا ہے ۔ اگر تو وہ اللہ
تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
اطاعت کے مطابق ہو تو وہاں گل و گلزار بنتے ہیں
اور اگر اس کے برعکس ہو تو وہ خود ایک شعلہ جوالہ
کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ اور جو لوگ خدائے علیم و
خبیر کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق زندگی بسر
کرتے ہیں ۔ خدا شاہد ہے، تاریخ گواہ ہے کہ ان
کے لئے یہ دنیا بھی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے اس
لئے کہ اس زندگی کا اس آنے والی زندگی کے ساتھ
ایک گہرا ربط ہے ۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں
ہوتا ہے تو اگرچہ وہ اس دنیا میں نہیں ہوتا لیکن
ماں کے وسیلہ سے اس کا دنیا کے ساتھ تعلق قائم
ہوتا ہے ۔ اگر سردی ماں کے وجود کو لگتی ہے تو بچہ
پیٹ میں محسوس کرتا ہے ۔ بیمار ماں ہوتی ہے تو اس پر بھی
بیماری کا اثر مرتب ہوتا ہے ۔ اور ماں کی صحت کا پیٹ
والے بچے پر بھی صحت مند ہونے کا اثر مرتب ہوتا ہے ۔
تو جب اس زندگی کا اس کے ساتھ تعلق ہے ۔ اسی طرح
دنیوی زندگی کا برزخ کی زندگی کے ساتھ بھی گہرا ربط ہے
اس کی انتہا اس کی ابتدا ہے ۔ جس طرح سے ہماری
اخروی زندگی تعمیر ہو رہی ہو گی ۔ اس کے اثرات یہاں
بھی پہنچتے رہتے ہیں ۔ براہ راست نہ سہی بالواسطہ ضرور
منتقل ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ بدکار شاہی محل میں
بھی بیٹھ کر تڑپتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا اطاعت گزار جھونپڑی
میں بھی مطمئن نظر آتا ہے ۔ خدا کا عابد و زاہد بندہ
چاہے محل میں ہو یا کھلے آسمان کی چھت کے نیچے ہو،
اس کا دل پر سکون اور ضمیر مطمئن ہوتا ہے ۔ اللہ کریم کے
ایسے بندے بھی دیکھے گئے جنہیں دشمن کے تیروں
نے چھلنی کر دیا ، جگر فگار ہو گئے ، کلیجے پھٹ گئے ،
مگر ان کے منہ سے نکلا " رب کعبہ کی قسم میں نے مقصد
کو پا لیا " کیسے پا لیا ؟ بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ اس
کا وجود دولخت ہو گیا ہے ، اس کا سینہ پھٹ گیا ،
ہمارے نزدیک تو وہ مر گیا ، زندگی سے محروم ہو گیا لیکن
خالق کائنات فرماتے ہیں کہ یہ گمان بھی مت کرو ۔ ولا
تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ۔ خبردار
ان کے متعلق سوچو بھی نہیں کہ وہ مر گئے ہیں ۔ بل احیاءٌ
وہ تم سے زیادہ زندہ ہیں ۔ انہوں نے اپنی زندگی کو تم سے لاکھوں
درجہ اعلیٰ طور پر مکمل بنا لیا ہے ۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ بظاہر جو
ہمیں دکھ کی انتہا معلوم ہوتی ہے ان کیلئے وہ راحت کی انتہا
بن گئی ۔ اس لئے کہ انہوں نے زندگی کے اس مرحلے کو اللہ تعالیٰ
کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے اور اللہ کے قانون کی حفاظت
کرتے ہوئے پورا کیا ۔ اور یوں ابدی زندگی کو پا لیا ۔ اس کے مقابلے میں
ایک وہ ہے جو شاہی محل کا باسی ہے حکومت کرتا ہے ، پہریدار اور
گارد حفاظت پر مامور کرتا ہے لیکن جب تک خواب آور گولیاں کھالے غریب کو
نیند نہیں آتی ۔ اس لئے کہ اس نے اخروی زندگی سے جو تعلق قائم کر
رکھا ہے ۔ اسکی جو لہریں آ رہی ہیں وہ سونے نہیں دیتیں ۔

وما توفیقی الا باللہ ۔

چراغِ مصطفوی

صلی اللہ علیہ وسلم

(پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے)

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ
فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اسمہ علی ابیہ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسکو اللہ تعالٰے اولاد دے، اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے اور سلیقہ سکھائے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے۔ اگر اس کے بالغ ہونے پر بھی اس کے نکاح کا بندوبست نہ کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گیا تو اس گناہ کا ذمہ دار اس کا باپ ہو گا"۔

والدین کے فرائض اور اولاد کے حقوق کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فطری ترتیب سے ہدایات دی ہیں۔ ان میں سے والدین کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اولاد کا نام رکھنے میں خاص احتیاط اور اہتمام کرے۔ نام یوں تو شناخت کے لئے ہوتا ہے مگر نام کا اثر جو انسان کی شخصیت پر پڑتا ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اچھے نام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ بندے اور رب یا مسلمان اور رسولِ کریمؐ کے تعلق کا مظہر ہو۔ یا اس میں ایسا پہلو ضرور ہو کہ دین سے تعلق کا اظہار ہو۔ جیسا کہ نبی کریمؐ نے ایک حدیث میں اچھے نام کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن پسندیدہ نام ہیں۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ بس صرف یہی دو نام رکھے جائیں بلکہ یہ بتانا

مقصود ہے کہ ان ناموں سے بندے اور رب کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ہماری کوتاہ اندیشی کا یہ عالم ہے کہ نام رکھنے میں صرف فیشن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات تو مرکب ناموں کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیا انمل اور بے جوڑ ترکیب ہے۔ مثلاً محمد پرویز آج کا چلتا ہوا نام ہے یا پرویز احمد یا پرویز الٰہی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ محمد اور پرویز میں کیا مناسبت ہے۔ کیونکہ پرویز کے نام سے تاریخ انسانی میں ایک ایسا فرد گذرا ہے جو محمدؐ رسول اللہ کا دشمن تھا اور اسے حضورؐ سے اتنی نفرت یا اتنا بغض تھا کہ حضورؐ کے نامۂ مبارک کو پارہ پارہ کر کے پاؤں تلے روندا۔ یہ اس کے بغض کی انتہا تھی۔ پھر حضورؐ کو گرفتار کر کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا حیرت ہوتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام لیوا اس دشمنِ رسول کے نام کو رسول کریمؐ کے نام کے ساتھ جوڑنے کی جرأت کیسے کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے اس ذات شریف کی رسول دشمنی سے واقف نہ ہوں۔

مگر جو لوگ جانتے بوجھتے ہوئے والدین کے رکھے ہوئے نام کے ساتھ یہ لاحقہ لگالیں اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کا اظہار اور اعلان کر رہے ہیں کہ پرویز میری پسندیدہ شخصیت ہے۔ اور رسولِ کریمؐ کے ساتھ میرا تعلق وہی ہے جو پرویز کا تعلق حضورؐ کے ساتھ تھا۔

والدین کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اولاد کی احسن طریقے سے تربیت کرے۔ عمدہ تربیت امر اضافی (Relative term) ہے۔ اسلام کی نگاہ میں اور رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق عمدہ تربیت یہ ہے کہ بچے میں دینی حس پیدا کی جائے۔ اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا صحیح تصور دیا جائے پھر ان عقائد کے مطابق عملی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ جیسا کہ دوسری حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ پھر اسلامی معاشرے کا مفید فرد بنانے کیلئے بنیادی انسانی اخلاق اور اسلامی اخلاق کی تعلیم دی جائے اور عملاً ان اخلاق کو اپنایا جائے۔ جبتک آخرت کا صحیح تصور نہ ہو باقی ساری باتیں محض ضابطے کی کاروائی بن کے رہ جاتی ہے۔

تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ اولاد جب بالغ ہو جائے تو ان کے نکاح کا بندوبست کریں۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اس ذمہ داری کے پورا کرنے میں کئی رکاوٹیں ہم نے خود کھڑی کر لی ہیں۔ اول یہ کہ مخلوط تعلیم اور مخلوط سوسائٹی نے نوجوان نسل کو آزادی کا کچھ ایسا تصور دیا ہے کہ اس معاملے میں والدین سے مشورہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ اور Love marriage کا کھیل کھیلنے لگتے ہیں اور والدین بھی سمجھتے ہیں کہ چلئے ایک ذمہ داری کم ہوئی۔

دوم یہ نکاح کے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ معیارِ زندگی کے بلند کرنے کے جنون نے اس کو اور مہمیز لگایا ہے۔ شادی کرنا پہاڑ بن جاتا ہے۔

اور یہ مشکل خود اپنی پیدا کردہ ہے ورنہ اسلام نے نکاح کے فریضے کو جس سادگی سے ادا کرنا سکھایا تھا، اس سادگی کو اختیار کرنے سے یہ مسئلہ بخوبی حل ہو سکتا ہے۔ مگر مغربی تہذیب نے "Show" کی اہمیت کا جو تحفہ دیا ہے وہ اس راہ میں حائل ہوتا ہے۔ اور ہندو تہذیب نے جو رسم و رواج سکھائے تھے وہ ایک الگ شریعت بن کے رہ گئی ہے۔ اور اس شریعت سے روگردانی کا حوصلہ کوئی کہاں سے لائے، مگر کہ

یہ آگ اپنی لگائی ہے آمیر اب اس کا رونا کیا

اللہ تعالےٰ وہ نگاہ عطا فرمائے کہ ہم محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہچان لیں۔

۲

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتحوا علی صبیانکم اول کلمۃ بلا الہ الا اللہ ولقنوھم عند الموت لا الہ الا اللہ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ بچوں کو زبان سے سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلواؤ اور موت کے وقت انہیں اسی لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

انسان کا سیرت اور کردار کے بننے بگڑنے کا عمل بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی دنیا اور آخرت کے سنورنے یا بگڑنے کا عمل بچپن سے شروع ہو جاتا ہے۔ بچے کا پہلا مدرسہ اس کی ماں کی گود ہوتی ہے۔ پھر اس کا قریبی ماحول ہوتا ہے۔ بچے کے ذہن اور قلب کی حیثیت ایک صاف تختی کی ہوتی ہے۔ اس پر سب سے پہلے نقوش انہی دو مدرسوں میں لکھے جاتے ہیں اور لطف یہ کہ نقوش ایسے امٹ ہوتے ہیں کہ مرتے دم تک قائم رہتے ہیں۔

اس فطری حقیقت کو ذہن میں رکھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ کریں کہ سب سے پہلے بچے کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلواؤ۔ مقصد یہ ہے کہ بچے کے ذہن پر غیر شعوری طور پر یہ حقیقت مرتسم ہو جائے کہ اللہ کے بغیر کوئی الہٰ نہیں۔ تاکہ شعور کا آغاز بھی توحید کے عقیدے سے ہو۔

بچہ جب سیکھنا شروع کرتا ہے تو حواسِ خمسہ میں سے سماعت کے حاسہ یعنی "سننے" کی قوت سے ابتدا ہوتی۔ پھر حاسۂ بصارت یعنی دیکھنے کی قوت اپنا کام شروع کرتی ہے اور کہلوانے کیلئے سنانا ضروری ہوتا ہے۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس قدرتی اور فطری ترتیب کو قائم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلواؤ۔

ظاہر ہے کہ کہلوانے کا مرحلہ آنے سے پہلے مسلسل ایک عرصہ تک سنانے کا عمل جاری رہے۔ جب بچے کے ماں باپ، اس کا قریبی ماحول لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے اور کہتے رہنے کا خوگر ہوگا تو یہ آواز مسلسل اس کے کانوں میں گونجتی رہے گی۔ اور اس کی سماعت کو بیدار کر کے اسے اس آواز سے مانوس کرتی رہے گی۔

اس عمل میں بچوں کی نفسیات کی ایک اور شق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بچہ فطرتاً نقال ہوتا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے وہی کہتا ہے۔ جو دیکھتا ہے وہی کرتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرمؐ کے اس فرمان میں یہ حکمت ہے کہ بچہ جب مسلسل اپنے قریبی ماحول سے لا الٰہ الا اللّٰہ کی آواز سنتا رہے گا تو اپنی فطرت کے مطابق یہی کلمات کہنے کی لازماً کوشش کرے گا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آئے گا کہ اس کی قوت گویائی بیدار ہو کر قوت سے عمل کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ لہٰذا فرمایا کہ جب وہ وقت آئے تو کوشش کرو کہ بچے کی زبان پر سب سے پہلے یہی کلمہ آئے اور وہ بولنا شروع کرے تو لا الٰہ الا اللّٰہ سے اس کا آغاز ہو۔

حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا دوسرا حصہ کہ "موت کے وقت اسے اسی کلمہ کی تلقین کرو"۔ حکمت کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ پہلی بات یہ کہ موت کے وقت کا علم اللّٰہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو نہیں۔ کیا خبر کس وقت موت آجائے اس لئے ضروری ہوا کہ ہمیشہ اس کلمہ کی تلقین دوسروں کو کرتے رہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کو ہمیشہ کیلئے صرف ایسا ماحول ہی میسر آجائے کہ اسے توحید کا سبق بھولنے نہ پائے۔ بلکہ ہو سکتا ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ خدا ناآشنا بلکہ خدا بیزار ماحول بُری سوسائٹی میں انسان گھر جاتا ہے۔ جس کا اثر غیر شعوری طور پر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن سے توحید کے نشان مٹنے لگتے ہیں اور قلب میں بھی توحید کے جذبات مدھم ہونے شروع ہو جاتے ہیں ایسے حالات میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی تلقین اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب فی الواقعہ کسی انسان کی موت کا وقت آتا ہے۔ آثار دکھائی دینے لگتے ہیں اور انسان خود محسوس کرنے لگتا ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ کے جانے لگا ہوں۔ ایسے وقت میں اس جذبے کو بیدار کرنا بہت ضروری ہے کہ سب کچھ چھوٹے مگر لا الٰہ الا اللّٰہ کا دامن نہ چھوٹے۔ لہٰذا اس نازک وقت میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی تلقین کرنے کی تاکید فرمائی۔ یوں لگتا ہے جیسے آخری وقت میں انسان کی وہ بچپن کی خاصیت لوٹ آتی ہے یعنی نقالی کا وصف۔ اس لئے ایسے وقت میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی تلقین کیلئے آداب یہ سکھائے ہیں کہ مرنے والے کو یہ نہ کہو کہ کہو لا الٰہ الا اللّٰہ بلکہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ خود لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھیں۔ اور مرنے والے کی وہ بچگانہ نفسیات ابھر آئیگی اور وہ ان کی نقالی کرتے ہوئے خود بخود لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے لگے گا۔

اس ابتدا اور اس انجام کے عمل کا مقصد صرف یہ نہیں کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کے الفاظ بس زبان پر آجائیں بلکہ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ مسلمان ماں باپ کا فرض یہ ہے کہ بچوں کی تربیت اس انداز سے کریں کہ تعلق باللّٰہ سے زندگی کا آغاز ہو اور اسی تعلق باللّٰہ کے وصف کے ساتھ زندگی گزرے اور اسی تعلق باللّٰہ پر خاتمہ ہو۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم نے بچوں کی تربیت کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ جب بڑوں کا حال یہ ہو کہ جب صبح آنکھ کھلے تو ریڈیو آن کر دیں اور بستر میں لیٹے ہوئے کانوں میں آواز آنے لگے۔ آجا چوری چوری۔ آجا چوری چوری۔ اور سفر میں، گھر میں، دکان میں، دفتر میں، بس میں، کار میں، ٹریکٹر پر ایسی ہی آوازیں بلند ہوتی رہیں "کہتے گئیوں دل لا کے چین جیا نا ہیا وسے" تو بچے کی زبان سے سب سے پہلے لا الٰہ الا اللّٰہ کون کہلوائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نئی نسل میں دینی شعور ختم ہوتا جا رہا ہے۔ بلکہ دینی شعائر سے مذاق کرنا ان کی تحقیر کرنے کا شوق نوجوان نسل کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے پھر اس میں تعجب کیا کہ سماجی برائیاں نہایت سرعت کے ساتھ معاشرے کو بگاڑ رہی ہیں اور شبہ ہونے لگتا ہے کہ یہ مسلمان معاشرہ نہیں، بلکہ جرائم پیشہ لوگوں کا ایک ہجوم ہے۔ یہاں انسان نہیں، درندے بستے ہیں۔

اللّٰہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔

حضور صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا چار چیزیں آدمی کے دل کو برباد کر دیتی ہیں۔

۱۔ احمقوں سے مقابلہ ۲۔ گناہوں کی کثرت ۳۔ عورتوں کے ساتھ کثرت اختلاط ۴۔ مردہ لوگوں کے پاس کثرت سے بیٹھنا۔

عرض کیا گیا۔ مردہ لوگ کون ہیں؟۔ فرمایا:

"ہر وہ مالدار جس کے اندر مال نے اکڑ پیدا کر دی ہو"۔

......

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

(ارشادات شیخ العرب والعجم حضرت العلّام مولانا اللہ یار خاں رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ)

موت وحیات دونوں بدن کی صفات ہیں۔ برزخ میں روح پر موت نہیں آتی۔ جہاں حیات کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہی بدن ہے۔ روح زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی۔ اور اس کے متعلق دلیل یہ ہے ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات؁ بل احیاء ولکن لاتشعرون ہ ان لوگوں کے متعلق جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں یہ نہ کہو کہ مارے گئے، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ ہمیں شعور نہیں کہ ہم سمجھ نہیں سکتے کہ زندہ نہیں وہ تو سب کو معلوم ہے کہ روح زندہ ہے مگر بدن کی زندگی ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اسے کیسی زندگی حاصل ہے جبکہ بدن ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اس لئے فرمایا ولکن لا تشعرون تمہیں سمجھ نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برزخ میں اگر روح ہی کو زندگی حاصل ہے تو انعام اور ثواب وعذاب تو جسم کیلئے ہوتا ہے۔ پھر ولاتقولوا لمن یقتل (اس آدمی کے حق میں جو قتل ہوچکا ہے یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہے) کا کیا مطلب ہے۔ روح پر تلوار اور تیر نہیں چلے۔ وہ قتل نہیں ہوا۔ وہ تو نظر ہی نہیں آتا۔ سو جس چیز پر شمشیر وسناں چلے جس پر موت واقع ہوئی اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ مردہ ہے بلکہ زندہ ہے۔ سو جس کے لئے موت ہے اسے برزخ میں زندگی بھی مل سکتی ہے۔ فرمایا زبان ہی سے نہیں دل میں بھی گمان نہ کرو۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔ بل احیاء عند ربھم .... یرزقون ہ انہیں تو رزق بھی دیا جاتا ہے اور یستبشرون بالذین ....

وہ اس چیز پر خوش ہیں جو اللہ تعالےٰ نے انہیں دی ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے خوش ہوتے ہیں کہ شاید وہ لوگ بھی جن کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں شہید ہوکر یہاں آجائیں۔ فرمایا!

مَا عندکم ینفد وما عند اللہ باق ۔ تمہارے پاس جو چیز ہے وہ فانی ہے اور اللہ کریم کے پاس جانے والی چیز باقی رہتی ہے ۔ اسے رزق دیا جاتا ہے ۔ مفسرین ، محدثین اور متکلمین نے اس باب میں بہت سے اقوال نقل کیئے ہیں کہ آیا یہ رزق مادی ہے یا حسی ۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ انہیں رزق دیا جائے تو تب ہی وہ زندہ رہ سکیں ۔ رزق کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں ۔

حدیث میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ نہر کی کھدائی کے وقت ۴۸ سال بعد حضرت امیر حمزہ رضؓ کے جسم پر کدال لگی تو خون بہنے لگا ۔ آخر خون کیلئے غذا کی ضرورت ہے ۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ مادی غذا کے بغیر اللہ تعالےٰ نشوونما کرتا رہتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ قادر ہے کہ بغیر کھائے پیئے زندہ رکھے ۔

تخلیقِ انسان کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا ۔ پھر نطفے کو مقامِ مضبوط میں رکھ دیا ۔ پھر اس مادۂ منویہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر اس کو لوٹی بنایا اور اس میں ہڈی اور گوشت چڑھایا پھر ہم نے اس میں روح پھونکی اور اس کو دوسری پیدائش دی ۔ ماں کے پیٹ میں ۴ ماہ پڑا رہنے کے بعد اس میں روح پھونکی ۔ ماں کے پیٹ ہی میں نشوونما ہو رہی ہے ۔ اسی طرح علیین اور سجین قبر ہی سے جہاں وہ جا کر قرار پکڑتا ہے ، شروع ہو جاتے ہیں ۔ علیین قبر سے ساتویں آسمان تک قائم ہے جو ساتھی صاحبِ کشف ہیں انہیں اللہ تعالےٰ کے فضل سے دکھا سکتا ہوں ۔ ساتویں آسمان کے بعد عرشِ معلّیٰ ہے ۔ اسی طرح سجین بھی قبر ہی سے شروع ہوتا ہے ۔ یہ مسئلہ اعتقادی ہے اس لئے آپ کے سامنے بیان کیا جا رہا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ کی شان زمین و آسمان ، کرسی و عرش کعبہ و جنت سب سے افضل و اعلیٰ ہے ۔ البتہ علماء میں اس بات پر اختلاف ہوا ہے کہ جنت میں جہاں آپؐ نے آخرت میں جانا ہے اس کی شان بلند ہے یا آپؐ کی موجودہ قرار گاہ کی ۔ اور سب اس امر پر متفق ہیں کہ جنت کا وہ ٹکڑا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر میں منتقل کر کے رکھ دیا گیا ہے ۔ قیامت پر اس ٹکڑے کو اٹھا کر وہیں جنت میں رکھ دیا جائے گا ۔ جیسے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس کی مساجد کو اٹھایا جائے گا ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مردہ کو دفنانے کے بعد اسے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے ؟ تیرا نبی کون ہے ؟ دین کیا تھا ؟ اگر وہ سنتا نہیں تو جواب کیسے دیتا ہے ۔ لطیف بات تو سُن لینا ہے تو کیا کثیف بات نہیں سُن سکتا ؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مٹی ڈال کر جا رہے ہوتے ہیں تو قدموں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے ۔ سو سمجھ لیں کہ جب میّت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسی وقت اعادہ روح کا کر دیا جاتا ہے ۔

اس کی روح کا تعلق اس کے بدن سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ قبر میں ثواب و عذاب کے ہم قائل ہیں اور بغیر زندگی کے عذاب و ثواب نہیں ہو سکتا۔ اور ثواب و عذابِ قبر ضروریاتِ دین سے ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کے مزار پر حاضر ہو کر جب کوئی صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو اس کو بنفسِ نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں اور دُور سے پڑھنے والے کا خود نہیں سنتے بلکہ فرشتوں کے ذریعہ ان کی خدمت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔

کبائر

ابو طالب مکّی نے ان کی تعداد سترہ ۱۷ لکھی ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

- چار گناہ قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔

  شرک، معصیّت پر اصرار کی نیت، اللّٰہ کی رحمت سے مایوسی اور اللّٰہ کی گرفت سے بے خوفی۔

- چار گناہ زبان کے۔

  جھوٹی شہادت، قذف المحصن، یمین غموس اور جادو۔

- تین گناہ پیٹ کے۔

  شراب پینا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا۔

- دو گناہ اندام نہانی کے۔

  زنا اور لواطت

- دو گناہ ہاتھوں کے۔

  ناحق قتل اور چوری۔

- ایک گناہ پاؤں کا ——— جہاد سے فرار
- ایک گناہ سارے بدن کا ——— حقوقِ والدین سے کوتاہی۔

ارشاد السالکین

(خصوصی ہدایات)

(حضرت مولانا محمدؐ اکرم مدظلہ العالی)

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ۔ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ ط

یہ چند سطور احباب کی خدمت میں اس غرض سے پیش کی جاتی ہیں کہ کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی بھی شخص ضائع نہ ہو جائے۔ شیطان مردود اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ اور نفس ہر انسان کے ساتھ۔ سو اپنے لئے، تمام احباب کیلئے اور جملہ مسلمانانِ عالم کے لئے ان کی شر سے اللہ کی پناہ کا خواستگار ہوں۔

یاد رہے کہ جب بھی کوئی عظیم انسان دنیا سے اٹھتا ہے تو اگرچہ اس کی خالی کردہ جگہ پُر نہیں کی جا سکتی۔ مگر اسے ہر کس و ناکس کیلئے خالی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ورنہ جس قدر عظیم فوائد حاصل ہو رہے ہوتے ہیں ان سے بڑے نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں۔ اللہ کریم ایسی صورت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دارِ دنیا سے پردہ فرما گئے اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ مگر یہ یاد رہے کہ حضرت سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے اس دَور کے بانی شیخ تھے، ہیں اور رہیں گے۔ نسبتِ اویسیہ روح سے روح کے مستفیض ہونے کا نام ہے۔ اور دنیا ہو یا برزخ۔ روح سے استفادہ یکساں حاصل ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو سکتا ہے اور برزخ میں کسی ایسے آدمی کی ضرورت پیش آجاتی ہے جو برزخ تک اس کی رہنمائی کرے۔ اور وہاں تک آدمی کو پہنچائے۔ اور ایسا وہی شخص کرتا ہے جو ان حضرات کا خادم یا نمائندہ ہو۔ فیض انہی کا ہوتا ہے مگر اس کی تقسیم اس ایک وجود کے ذریعے

ہوتی ہے۔ اسی کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔

خلیفہ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اس کا قائم مقام ہو۔ اس کی جگہ پہ کام کرے۔ اور وہ شخص اسی عزت و احترام کا مستحق ہوتا ہے جو اس کے شیخ کے لئے ضروری ہوتی ہے کہ یہ عزت اس کی ذات کی نہیں بلکہ اس کے منصب اور مقام کی ہوتی ہے۔ اور یہ طریقہ بھی یاد رکھیں کہ اس کے بعد دوسرے لوگ اس کے خلیفہ کہے جا سکتے ہیں وہ بھی ایک وہ آدمی جو اس کی جگہ آئے اور یہ تب ہو سکتا ہے جب وہ برزخ میں چلا جائے۔ جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جب وہ رخصت ہوئے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سربرآرائے خلافت ہوئے تو آپ کو کسی نے خلیفۂ رسول اللہ کہہ کر پکارا۔ آپ نے منع فرما دیا۔ اور فرمایا حضورؐ کا خلیفہ ابوبکرؓ تھا میں تو صدیق اکبرؓ کا خلیفہ ہوں۔ مجھے امیر المؤمنین کہا کرو کہ میں تمہارا امیر ہوں۔

حضرت جیؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نمائندگی اور غلامی کی سعادت اس فقیر کے حصہ میں آئی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ خدا شاہد ہے زندگی میں کبھی یہ سوچا نہ تھا بلکہ حضرت جیؒ کے ہاتھوں میں مرنے کی آرزو رہی مگر اللہ کی مرضی اس طرح تھی اور اب یہ بہت بڑی امانت ہے خدا کی، خدا کے رسولؐ اور مشائخ سلسلہ کی۔ یہ بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ میں انشاءاللہ دمِ واپسیں تک اس کی حفاظت کروں گا۔ اور اللہ سے توفیق کا طالب ہوں کہ اس کی خدمت کا حق ادا کر سکوں۔

حضرت جیؒ نے میرے ساتھ میرے دو معاون مقرر فرمائے جو میرے دست و بازو ہیں۔ جو اس راہ میں میرے ہمسفر ہیں۔ جن کا کام میری تکالیف بانٹنا، مجھے درست مشورہ دینا۔ مگر میرے پیچھے چلنا ہے۔ اور اللہ نہ کرے اگر میں گر جاؤں تو جماعت کو سنبھالنا ہے۔ اللہ ایسا وقت نہ لائے کہ سلاسل کی قیادت جنہیں نصیب ہوتی ان کی تربیت بھی کی جاتی ہے اور پھر خصوصی حفاظت بھی کہ اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اس فقیر کی تربیت مدتوں اس خدمت کے لئے کی گئی۔ یہ ۱۹۶۲/۶۳ء کی بات ہے کہ ہم حضرت جیؒ کے ساتھ موہڑہ کورچشم میں مقیم تھے۔ غالباً ہفتہ عشرہ کا اجتماع تھا۔ صبح و شام حضرتؒ خود ذکر کراتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب غلام جیلانی صاحب، مولوی سلیمان وغیرہ اس وقت کے ساتھی موجود تھے۔ وہاں کے ایک ساتھی تھے جن کا نام غلام سرور تھا۔ وہ حضرتؒ کے بچپن کے ساتھیوں میں سے بھی تھے۔ ایک دن حضرت سے عرض کی کہ حضرت ذکر میں جس قدر انوار آپ پہ وارد ہوتے ہیں، سارے اس شخص پر جاتے ہیں اور پھر اس سے تقسیم ہو کر باقی ساتھیوں پہ پہنچتے ہیں تو حضرت نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس وقت یہ بات وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ بائیس سال بعد یہ سیاہ کار ہی حضرت اور طالبین کے درمیان واسطہ رہ جائے گا۔

خیر اب ان دو احباب کے بعد کچھ لوگ ہیں جنہیں بیعتِ ظاہری کی اجازت حضرتؒ نے دی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں حضرتؒ تشریف نہ لے جاسکیں وہاں وہ حضرتؒ کی طرف سے بیعت لیں۔ اور پھر خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوکر وہ پیش کرکے قبول کرائیں نہ یہ کہ ہر ایک علیحدہ ایک پیرخانہ قائم کرلے۔ وہ بات اب بھی ویسی ہی ہے۔ اگر کسی جگہ ضرورت ہوئی اور میرے لئے وہاں پہنچنا ممکن نہ ہوا تو یہ خدمت ان حضرات کے ذمہ کی جائے گی۔

ان کے بعد حضرتؒ کے مجازین ہیں جن کی فہرست کیلئے میں ناظمِ اعلیٰ صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ ساتھ لف کردیں۔ ان کا اپنا مقام ہے، ایک منصب ہے اور کام کرنے کی ایک حد۔ جس سے جملہ حضرات واقف بھی ہیں اور بفضلِ اللہ اس کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔ سب سے میری گزارش یہ ہے کہ اب پہلے سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ ذکر کے اوقات کی پابندی اور ذکر کی کثرت ضروری ہے۔ یاد رہے کہ بعض احباب نے اپنی سہولت کیلئے مغرب کے بعد والے ذکر کو عشاء کے بعد کرلیا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے۔ ہاں کوئی مجبوری ہو تو ایک آدھ مرتبہ خیر ہے۔ مگر اسے معمول نہ بنایا جائے کہ مغرب سے عشاء کے درمیان اور سحری کے نوافل کے بعد تمام مشائخؒ برزخ سے بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان اوقات کو ضائع نہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ حضرتؒ کی مقرر کردہ ایک مجلسِ عاملہ ہے۔ جو تنظیمی اعتبار سے جماعت کے معاملات کی ذمہ دار ہے جسے میں تاکیداً عرض کرتا ہوں کہ فعال کردار ادا کریں۔ اور اس نازک وقت میں میرے حقیقی معاون ثابت ہوں۔ اللہ ان سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین!

خازن حضرات اور ضلعی امراء حضرات سے ملتمس ہوں کہ اپنے اپنے کام کو مستعدی سے انجام دیں اور جماعت کی استقامت اور ترقی میں معاون ہوں کہ آگے چلنے والوں کی سستی پیچھے آنے والوں کے لئے بعض اوقات ترکِ سفر جیسی مصیبت لے آتی ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ میدانِ حشر میں صرف اپنی غلطیوں کا جواب بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ کسی کی غلطی سے اگر ایک شخص بھی گمراہ ہوگیا تو ایسا شخص پتہ نہیں کیا جواب دے گا، اور کہاں پناہ تلاش کرسکے گا۔

سو تمام احباب سے ملتمس ہوں کہ ذکر کی اس کے اوقات کے ساتھ پابندی کریں اور مجازین حضرات خصوصاً اہتمام سے ذکر کیا کریں۔

دوسرے گزارش ہے کہ ہر ساتھی کو اپنے اہلِ خانہ کو ذکر کرانے کی اجازت ہے کہ عورتوں کا دوسرے گھروں میں جانا مناسب نہیں۔ اس لئے کوشش کریں اور بیوی بچوں کو ذکر کا عادی بنائیں۔ ذاکر پر مشائخؒ کی خصوصی توجہ رہتی ہے۔ جو ہمیشہ دونوں عالم میں خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ مالیاتی ادارہ

پہلے سے مقرر شدہ ہے اور اپریل کے اجتماع میں اس کی تشکیلِ نو کا ارادہ ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ مؤثر اور فعال بنایا جائے۔ اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

اس کے ساتھ جملہ احباب کو ذکر کے بعد دعائیں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا شجرہ مبارک پڑھنے کی خصوصی درخواست ہے۔ اور بالالتزام پڑھنے کی ضرورت ہے کہ ہم سب کیلئے خیر و برکت کا سبب ہوگا۔ اور میرے لئے بھی موجبِ رحمتِ باری تعالیٰ ۔ شجرہ مبارک متعدد بار شائع ہو چکا ہے اور ایک بار پھر نوٹ کرلیں تعلیم کیلئے پیش ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

● الٰہی بحرمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۱۔ الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ الٰہی بحرمت حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۔ الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۔ الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۵۔ الٰہی بحرمت حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۶۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۷۔ الٰہی بحرمت ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۸۔ الٰہی بحرمت سلطان العارفین حضرت اللہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۹۔ الٰہی بحرمت حضرت عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۰۔ الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلام اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

۱۱۔ الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ فقیر محمد اکرم ومن بخیر گرداں وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۵

شجرہ مبارک کم از کم ایک بار روزانہ پڑھنے کا استدعا اس لئے ہے کہ میں اپنے آپکو آپ حضرات کی دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج پاتا ہوں۔

حضرتؒ کے مزار پر بغرضِ استفادہ ایک حجرہ اور مسجد کی ضرورت ہے۔ جس میں سے مسجد کی تعمیر شروع ہے جس پر تاحال ہماری روحانی والدۂ محترمہ کی عطا فرمودہ رقم خرچ ہو رہی ہے احباب سے درخواست ہے کہ دارالعرفان کے فنڈ میں عطیات روانہ فرمائیں۔ جس کا اکاؤنٹ نمبر ۸۲۸ مسلم کمرشل بنک منارہ، ضلع جہلم ہے۔

اس کے بعد ان حضرات کی خدمت میں جن کو یہ خیال ہے کہ انہیں میرے واسطے کی ضرورت نہیں اور وہ براہِ راست حضرت سے استفادہ کر سکتے ہیں گذارش ہے کہ میں ان کو مجبور نہیں کرتا نہ ان کی راہ روک سکتا ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ جن احباب کا تعلق بیعت کا میرے ساتھ ہوگا۔ ان سے ان کا کوئی متعلق نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں مجلسِ عاملہ کے معزز اراکین اور ناظمِ اعلیٰ صاحب سے درخواست ہے کہ تمام احباب کو اپنی طرف سے مطلع فرمادیں اور خود بھی نوٹ فرمالیں۔ نیز ایسے حضرات کو چاہیئے کہ پرانے ساتھیوں کو خراب کرنے کی بجائے نئے لوگوں پر طبع آزمائی کرکے دیکھیں کہ کیا وہ

مجھ سے کٹ کر کسی کو احدیت بھی کرا سکتے ہیں؟....
فنا فی الرسول تو بہت دور کی بات ہے۔ اس کے حصول کیلئے تو جان بھی دی جا سکتی ہے۔ خداوند کریم حضرت کے لگائے ہوئے ہر ہر پودے کی حفاظت فرمائے۔ میں اس بستان کا خادم ہوں۔ میرا مال میرا وقت، میری جان اس خدمت کیلئے وقف ہے۔ انشاءاللہ العزیز۔ مگر یہ سب آبادی کیلئے ہے اگر کوئی ٹہنی کانٹے نکالنے لگے گی تو بستان خراب کرنے کی اجازت دینے سے اس کا کاٹ دینا نسبتاً آسان اور زیادہ منافع بخش بھی ہوگا۔

نیز اگر کسی کو یہ دھوکہ لگے کہ حضرات متقدمین کے یک وقت متعدد خلفاء ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں تو اس کو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہدایت وارشاد اور ظاہری طور پر رہنمائی کرنے کیلئے ایک وقت میں متعدد آدمی مقرر ہو سکتے ہیں اور ہر آدمی کو اجازت دی جا سکتی ہے جو کم از کم مسائل ضروریہ آگاہی رکھتا ہو۔

لیکن راہِ سلوک میں منازلِ سلوک طے کروانے کیلئے آج تک کوئی مثال نہیں کہ بہت سے افراد ایک ہی مقام اور مرتبہ رکھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کوئی ایک سب سے اوپر اور سب سے آگے رہا ہے اور باقی اس کے پیچھے بھی ترتیب سے رہے ہیں۔

میری یہ گذارشات اچھی طرح سے پڑھ لی جائیں اور جس ساتھی تک پہنچیں وہ دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

والسّلام

دعا گوئے عالم۔ فقیر محمد اکرم عفی عنہ

۲۲ رجمادی الآخر ۱۴۰۴ ہجری۔ بمطابق ۲۶/۳/۸۴

صاحب مجاز حضرات کی فہرست

۱۔ سید نبیاد حسین شاہ نقوی صاحب، سرگودھا۔

۲۔ محمد احسن بیگ صاحب، سیالکوٹ۔

۳۔ حافظ عبدالرزاق صاحب، چکوال

۴۔ مطلوب حسین صاحب، لاہور۔

۵۔ مولانا عبدالغفور صاحب، قلات

۶۔ خان محمد صاحب، ایران۔

۷۔ حاجی حبیب الرحمٰن صاحب، سیالکوٹ۔

۸۔ سید محمد حسن صاحب، ژوب۔

۹۔ اختر حسین صاحب، حال کراچی۔

۱۰۔ حکیم محمد صادق صاحب، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

۱۱۔ مختار احمد صاحب، پنڈی گھیب۔

۱۲۔ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب، مانسہرہ

۱۳۔ گوہر الرحمٰن صاحب، آزاد کشمیر

۱۴۔ محمد ہاشم صاحب، والبندین

۱۵۔ امان شاہ صاحب، کوہاٹ

۱۶۔ حافظ غلام قادری صاحب، چکوال

۱۷۔ شیخ حبیب الرحمٰن صاحب، لاہور

۱۸۔ مزمل حق صاحب، ڈھاکہ۔

مطلوب حسین
ناظمِ اعلیٰ
۲-۴-۱۹۸۴

کسی قوم کے اربابِ علم و فضل اس کے لئے قلب و جگر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان کی صحت اور بگاڑ پر قوم کی صحت اور بگاڑ کا انحصار ہے۔

اخلاص

(فیض الرحمٰن ۔ اسلام آباد)

حقیقتِ اخلاص :۔

اخلاص کے تین درجے ہیں ۔ ایک یہ کہ عبادت کرتے وقت صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ یہی مقصود اور مرتبہ کمال ہے۔ دوسرے یہ کہ غایت فاسدہ کا قصد ہو۔ یہ بالکل اخلاص کے منافی ہے۔ تیسرے یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کرلیا۔ یہ درجہ بین بین ہے۔ اس کو اخلاص سے اتنا بعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالے ہم سے راضی ہوں گے ۔ یہ تو اخلاص کا درجۂ کمال ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے کو دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع و خضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جائے گا۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں ۔ نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔ یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجۂ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں ۔ اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے۔

اخلاص کے فائدے :۔ چاہے ذرا سا کام ہو مگر خلوص کے ساتھ ہو تو اس میں برکت حاصل ہوتی ہے۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا۔ اسی قدر ثواب بڑھتا جائے گا۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ میرا صحابی اگر نصف مُد یعنی آدھ سیر جَو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسرے کے اُحد کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

طریق کار :۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ محض خدا کیلئے کام کرے۔ مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو۔

اس سے کم یہ ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کام کرے۔ مگر کوئی دنیاوی غرض مطلوب نہ ہو۔ صرف اس کا خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کچھ نیّت نہ ہو۔ نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین۔ یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کیا۔ یہ بھی اخلاص یعنی عدم الرّیا ہے۔

طریقِ تحصیل:۔ ریاء کو دفع کرنا عین اخلاص کا حاصل کرنا ہے۔

بزرگوں کے اقوال:۔ سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں۔ اخلاص یہ ہے کہ اپنے دین اور عمل کو بندہ خدا کے واسطے خالص کر دے اور اس میں اور کسی کو شریک نہ کرے۔ اور حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ اگر عمل آدمیوں کے دکھانے کے واسطے چھوڑ دیا ہے تو یہ بھی ریاء ہے۔ اور اگر لوگوں کے سبب سے کیا ہے تو یہ شرک ہے۔

یحییٰ بن معاذؓ کہتے ہیں کہ اخلاص عیبوں سے عمل کو اس طرح الگ کرتا ہے جیسے گوبر اور خون سے دودھ جُدا ہو جاتا ہے۔

ابوالحسین بوشنجیؒ کہتے ہیں۔ اخلاص ایک ایسی چیز ہے کہ نہ تو اس کو فرشتے لکھتے ہیں اور نہ ہی شیطان اس کو فاسد کر سکتا ہے اور نہ ہی اس پر انسان کو اطلاع ہوتی ہے۔

رویم بن احمدؒ کہتے ہیں، اخلاص یہ ہے کہ تو عمل پر نظر نہ رکھے۔ اور حذلیفہؒ کہتے ہیں، اخلاص یہ ہے کہ بندہ کے ظاہری اور باطنی فعل یکساں ہوں

ابو یعقوب یکفوفؒ کا قول ہے کہ جس طرح آدمی اپنے عیبوں کو چھپاتا ہے اسی طرح نیکیوں کو بھی پوشیدہ رکھے۔

ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں، اخلاص یہ ہے کہ صدق اور صبر پر ہمیشہ قائم اور مضبوط رہے۔

ابن عبداللہ سے پوچھا گیا کہ نفس پر سب سے زیادہ سخت چیز کونسی ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ اخلاص۔ کیونکہ اس سے نفس کو کچھ حصہ نہیں ملتا۔ ابوسعید خزاز کہتے ہیں کہ عارف کا ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔ ابوعثمان کہتے ہیں اخلاص یہ ہے کہ خالق کی طرف نظر کرنے کے سبب مخلوق کی طرف دیکھنا بھول جائے۔

تقویٰ

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین۔ اے ایمان والو! خدا تعالےٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

الا ان التقویٰ ھھنا و اشار الیٰ صدورہ (الحدیث)

آگاہ رہو کہ تقویٰ اس جگہ ہے۔ اور آپ نے قلب کی طرف اشارہ کیا۔

حقیقتِ تقویٰ:۔ لفظ تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک "ڈرنا" دوسرے "بچنا" بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد تو معاصی سے بچنا ہی ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے جبھی اس سے بچا جاتا ہے۔

تقویٰ کے مدارج:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب فاتقوا اللہ حق تقاتہٖ کا نزول ہوا تو اس سے صحابہؓ ڈر گئے۔ کیونکہ وہ سمجھے کہ آج ہی حقوقِ تقویٰ لازم ہو گیا۔ حالانکہ شروع ہی سے تقویٰ کا حصول دشوار ہے۔ حقِ تقویٰ کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ کی شان کے لائق جیسا تقویٰ ہے وہ اختیار کرو۔ سو آیت میں یہ مراد نہیں۔ کیونکہ یہ تو بشر کی طاقت سے خارج ہے۔ اور دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان کی وسعت کے موافق جو تقویٰ خدا تعالےٰ کی شان کے لائق ہے اس کو بجا لاؤ۔ آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔ ابتدا ہی سے انسان کا اس درجہ میں پہنچ جانا دشوار ہے تو صحابہ کرامؓ نے اس آیت کو بمعنی فوق سمجھا اور پھر یہ خوف ہوا کہ حق تقویٰ کا آج ہی سے حاصل ہونا تو بڑا دشوار ہے پھر اس حکم کی تعمیل کیونکر ہو۔ اس پر دوسری آیت نازل ہوئی۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم یعنی جتنا تقویٰ تم سے اس وقت ہو سکتا ہے اس وقت تو اس کو اختیار کرو۔ پھر ترقی کرتے رہو۔ یہاں تک کہ حقِ تقویٰ حاصل ہو جائے۔ اس آیت نے پہلی آیت کی تفسیر کر دی۔

تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک تقویٰ یہ ہے کہ کفر اور شرک سے بچے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کو ترک نہ کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے، پھر جیسے جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا۔ اور تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ درجۂ احسان حاصل ہو جائے گا، جو کہ

ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی تقویٰ کا بھی اعلیٰ درجہ ہے۔ اور یہی درجہ مطلوب ہے۔

اقسامِ اعمال:۔ اعمال تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دین میں نافع ہیں ان کا کرنا تو مامور بہ ہے۔ خواہ وہ درجۂ فرضیت و وجوب میں ہو یا درجۂ سُنّیت و استحباب میں ہو۔ اور بعض وہ ہیں جو دین میں مضر ہیں۔ ان کا ترک مامور بہ ہے خواہ درجۂ حرمت میں ہو یا کراہت میں۔ اور بعض وہ ہیں جن کے فعل یا ترک کا امر نہیں۔ وہ مباحات ہیں۔ مباحات اپنے اثر کے لحاظ سے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ دین کے لئے نافع ہیں۔ جیسے بغرضِ صحت چلنا پھرنا، ورزش کرنا۔ یا نافع نہیں۔ اگر دین میں نافع ہے تو وہ فعلاً مامور بہ ہے۔ گو درجۂ وجوب میں نہ ہو۔ مگر جب مباح نافع فی الدین کو اچھی نیت سے کیا جائے تو وہ مستحب ضرور ہوجاتا ہے۔ اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے۔ اگر وہ دین میں نافع نہیں تو فضول ہے اور فضولیات کا ترک کردینا مامور بہ شرعاً ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ "مالا یعنی" کو ترک کردیا جائے۔ جب فضولیات کے ترک کو حُسنِ اسلام میں دخل ہے اور حُسنِ اسلام مامور بہ اور مطلوب ہے تو ان فضولیات کا ترک بھی مامور بہ ہوگیا۔ گو ان کو حرام نہ کہا جائے۔ مگر فضولیات میں اشتغال کراہت سے خالی نہیں۔ پس جسطرح حرام اور مکروہ سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح فضولیات سے بچنا بھی ضروری ہے۔ غرض بے ضرورت مباحات میں مشغول ہونا بھی بُرا ہے۔ اور ضرورت کے وقت مشغول نہ ہونا بھی بُرا ہے۔ جو شئے شرعاً مباح ہو اس کو عبادت سمجھ لینا یا اس کو معصیت تصور کرلینا شرعاً مذموم ہے۔ چنانچہ گھروں میں دروازوں سے آنا مباح تھا۔ اس کو لوگوں نے معصیت سمجھا تھا اور دروازہ چھوڑ کر کسی اور طرف سے آنا بھی فی نفسہٖ مباح ہے۔ اس کو ان لوگوں نے عبادت و فضیلت سمجھا تھا۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان پر رد فرمایا۔ اور ان کے اعتقاد کو باطل اور مخالفِ تقویٰ ٹھہرایا۔ اور تقویٰ کو واجب ٹھہرایا تو جس چیز سے واجب کا ترک اور خلاف لازم آئے گا وہ ضرور گناہ ہوگی۔ پس ان کے یہ دونوں اعتقاد گناہ ہوئے۔

ہر شئے کا تقویٰ ہے۔ آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی عورت کو بُری نگاہ سے نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے، کسی کو ستائے نہیں۔ اسی طرح ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے، شہوت سے مَس نہ کرے۔ پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بُری جگہ چل کر نہ جائے۔ کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے، راگ باجے سے بچے۔ وضع میں بھی تقویٰ ہے کہ خلافِ شریعت وضع نہ رکھے۔ پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صادق اور متقی وہی شخص ہے جو دین میں کامل ہو۔

طریق کار

جو کام کریں اس میں شریعت کا حکم دیکھ لیں۔ دین کے کام میں تو یہ دیکھنا ہے کہ شریعت نے اس کی کامیابی کا جو طریقہ بتایا ہے وہ کیا ہے؟ اسی کے موافق کریں اور دنیا کا جو کام کریں اس میں صرف یہ دیکھ لیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔

احادیث اور اقوالِ بزرگاں

حدیث میں ہے کہ خداوند تعالےٰ کو قیامت کے روز پرہیز گاروں کا حساب کرنے سے شرم آتی ہے۔

رسولِ مقبول ؐ نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ تم سے حساب طلب کیا جائے، اپنی جانوں سے حساب کرو۔ اور اس سے پہلے کہ تمہارے عمل تولے جائیں تم خود اپنے عملوں کا وزن کرو۔ آپؐ نے فرمایا۔ مومن توقف کرنے والا، سوچنے والا ہوتا ہے اور منافق بے پرواہی سے سب کچھ نگل جاتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: مومن تفتیش کرنے والا ہوتا ہے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے ہم نشینوں میں وہ لوگ ہوں گے جو زاہد اور اہلِ تقویٰ ہوں گے۔

ابنِ مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حرام پیسہ کا ترک کرنا سو پیسہ خیرات کرنے سے بہتر ہے۔

ابراہیم بن اُدھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک پرہیز گاری فرض ہے اور دوسری ڈر کی ہے۔ فرض پرہیز گاری گناہوں سے باز رہنا اور بچنا ہے اور ڈر کی پرہیز گاری شبہ والی چیز سے بچنا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ کہتے ہیں کہ پرہیز گاری دو طرح پر ہے۔ ایک تو ظاہری ہے اور وہ یہ ہے کہ تو نہ ہلے جُلے مگر واسطے اللہ کے۔ اور دوسری باطنی ہے اور وہ یہ ہے کہ تیرے دل میں سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی دوسرے کی جگہ نہ ہو۔

اور یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں پرہیز گاری کرنے کی نسبت گفتگو میں پرہیز گاری کرنا افضل ہے۔

یونس بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ ہر ایک شبہ سے باز رہنا اور ہر لحظہ اپنے نفس کا حساب کرتے رہنا پرہیز گاری ہے۔

سُفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ میں نے اس سے زیادہ آسان اور کوئی پرہیز گاری نہیں دیکھی کہ جو تیرے دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دے۔

بشر بن حارثؒ کا قول ہے کہ عملوں میں زیادہ سخت تین چیزیں ہیں:-

قلت کی حالت میں بخشش کرنا۔ تنہائی میں پرہیز گار رہنا۔ جس آدمی سے خوف اور امید ہو اس کے رُو برو سچ بولنا۔

دیکھتا چلا گیا

(سیلانی کے قلم سے)

ایک انگلش میڈیم کے پبلک سکول میں جہاں "نرسری" سے میٹرک تک مخلوط تعلیم کا اہتمام ہے۔ سکول کی پرنسپل (میڈیم) بچوں کی تربیت کے سلسلے میں معاشرتی آداب سکھاتے ہوئے تقریر فرما رہی ہیں۔ ان آداب میں سے ایک تلقین یہ فرمائی کہ Always say good morning یعنی ہمیشہ گڈ مارننگ کہا کرو السلام علیکم never say یعنی السلام علیکم کبھی نہ کہو۔

اس مختصر سی معصوم نصیحت میں حقائق کی ایک دنیا سمٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اول یہ کہ ہم ہر سال جشنِ آزادی مناتے ہیں اور بڑی شان سے مناتے ہیں۔ مگر اس "نصیحت" سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف جسم آزاد ہوئے ہیں۔ ذہن غلام ہیں، سوچ غلام ہے، ضمیر غلام ہے اور صرف غلام نہیں بلکہ اس غلامی کے پرچار کا باقاعدہ اہتمام بھی ہے۔ واقعی شکاری کا کمال یہ ہے: ع

کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری۔

دوم یہ کہ قانونِ توارث ایک بدیہی حقیقت ہے۔ جو خاندان نسلاً بعد نسل غلامی میں فخر محسوس کرتے آئے ان کے اخلاف اگر سیاسی اعتبار سے آزاد بھی ہو گئے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ذہنی غلامی ان کو ورثہ میں ملی ہے۔

اس کی ایک مثال اللہ کی آخری کتاب میں ملتی ہے۔ ارشاد ہے:

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا۔ پھر ایسے لوگوں پر ان کا گزر ہوا جو اپنے بتوں کو لئے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل یہ دیکھ کر کہنے لگے اے موسیٰؑ! ہمارے لئے بھی ایک ہی دیوتا بنا دیجئے جیسے ان کے یہ دیوتا ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔" (الاعراف: ۱۳۸)

بنی اسرائیل کی کئی نسلیں فرعون کی غلامی، شخصیت پرستی اور بت پرستی میں گزار چکی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اس نسل کو غلامی سے آزاد کرایا۔ مگر ثابت ہوا کہ یہ آزادی صرف جسم کی آزادی ہے۔ ان کے ذہن بدستور غلام ہیں۔

اور قانونِ توارث پوری طرح کار فرما ہے۔ مگر حضرت موسیٰ نے ان کی اس حرکت کو نری جہالت قرار دیا۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ اس جہالت کو تہذیب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔

سوم یہ کہ جب کوئی فرد یا رقوم احساسِ کمتری کا شکار ہو جائے اسے اپنی ہر چیز، ہر بات، ہر کام گھٹیا پست اور قابلِ نفرت محسوس ہوتا ہے۔ یہ گڈ مارننگ کی تاکید اور السلام علیکم کہنے کی ممانعت اسی احساسِ کمتری کا مظہر ہے۔ واقعی: ؏ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر۔

چہارم یہ کہ غلامی کی یہ خاصیت ہے کہ مثبت اور تعمیری انداز میں سوچنے کی حس ہی مر جاتی ہے۔ نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ حکمران کی نقالی ہی کمال کی علامت بن جاتی ہے۔ اب گڈ مارننگ اور السلام علیکم کے الفاظ کا مقابلہ کیجئے، ان کے معانی پر غور کیجئے۔ گڈ مارننگ کیا ہے جیسے کوئی کہے "آج سردی ہے"، دوسرا جواب میں کہے "آج سردی ہے" کیا بے تکی بات ہے۔ مگر السلام علیکم خیر خواہی کے جذبے کا اظہار ہے۔ ایک اسلامی شعار ہے۔ قومی تشخص کی علامت ہے۔ ایک دعا ہے۔ مگر غلامانہ ذہنیت نے کیا گل کھلائے کہ ؏

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہُوا۔

پنجم یہ کہ بجلی کی روشنی میں یہ اندھیرا اس ملک میں ہو رہا ہے۔ جس کے عالمِ وجود میں آنے سے پہلے یہ نعرہ گونجتا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ اسی ملک کے تعلیمی ادارے میں تعلیم یہ دی جا رہی ہے کہ لا الٰہ الا انگریز ؏

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

ششم یہ کہ ماضی قریب میں یہ تحریک اٹھی کہ نظامِ مصطفیٰؐ رائج کرنا ہے۔ اور تعلیمی اداروں میں فرمانِ مصطفیٰؐ کی مخالفت اور ڈنکے کی چوٹ سے مخالفت طرۂ امتیاز بن گئی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "سلام پھیلاؤ" اور تعلیمی ادارے کی سربراہ ہدایت دے رہی ہیں کہ خبردار جو تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مانی۔ گویا اسلام کے نفاذ کا عملی طریقہ یہ سکھایا جا رہا ہے کہ بچو! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بالکل نہ ماننا۔ بس اسلام نافذ ہو جائے گا۔

ہفتم یہ بچوں کے قلب اور ذہن سادہ تختی کی مانند ہوتے ہیں۔ ان پر جو کچھ لکھ دیا جاتا ہے وہ امٹ ہوتا ہے۔ اور بڑے ہو کر ان کی شخصیت اسی سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ ترجمانِ حقیقت نے کیا خوب کہا تھا: ؎

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

ظاہر ہے کہ جب بچوں کے دل میں "السلام علیکم" کے خلاف نفرت کا جذبہ راسخ ہو جائے گا تو جس ہستی نے السلام علیکم کہنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے خلاف نفرت آپ سے آپ پیدا ہو جائے گی۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی تو سمندر پار رہنے والے سفید فام آقاؤں کی مراد بر آئی۔ یہ اسی کا اہتمام ہو رہا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے : ے

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

ہشتم یہ کہ زمیندار لوگ کہا کرتے ہیں کہ مکڑی فصلوں کے لئے بڑی نقصان دہ ہے مگر مکڑی کا "پونگ" مکڑی سے بھی زیادہ تباہ کن ہے۔ کیونکہ مکڑی تو آئی، بیٹھی، کھایا اور اڑ گئی۔ مگر پونگ اڑ نہیں سکتا۔ بس پھدک کر یہاں سے اٹھا وہاں بیٹھ گیا۔ اس لئے پونگ جو تباہی پھیلاتا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

زمیندار خواہ پڑھے ہوئے نہ ہوں "گڑھے" ہوئے ضرور ہوتے ہیں۔ کتنی پتے کی بات کہہ گئے۔ انگریز سمندر پار سے آیا۔ یہاں کے قومی ضمیر، سوچ، کردار، پسند و ناپسند کے معیار کو مسخ کیا۔ تین صدیاں گزار کر چلا گیا۔ قوم نے انگڑائی لی، خود شناسی کی طرف قدم اٹھے مگر انگریز جو پونگ چھوڑ گیا ہے اس کی تباہی کا سلسلہ صرف جاری ہی نہیں روز بروز ترقی پر ہے۔ اس پونگ کے کارنامے زندگی کے ہر شعبے میں صاف نظر آتے ہیں۔ مثلاً :

(ا) انگریز نے پانچویں جماعت سے انگریزی تعلیم شروع کی تھی اور اب اس پونگ کا کرشمہ دیکھئے کہ نرسری (ادنیٰ) جماعت سے صرف انگریزی کا زبان کی تعلیم ہی شروع نہیں کی بلکہ انگریزی تہذیب سکھانے اور اپنی تہذیب کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا اہتمام بھی شروع کر دیا اور یہ کاروبار اس تھوک پیمانے پر شروع ہوا کہ ہر گلی، ہر موڑ پر ایک انگلش میڈیم پبلک سکول نمودار ہو گیا۔

(ب) اردو کو قومی زبان بنانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی پونگ ہے۔

(ج) اسلامی قانون جو بن چکے ہیں۔ ان کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی طبقہ ہے۔

(د) اس طبقہ نے اب تو سرکاری طور پر یہ منوا لیا ہے کہ کچھ سکول ایسے بھی ہو سکتے ہیں جہاں انگلش میڈیم اختیار کیا جا سکے۔ اس "کچھ" کی آڑ میں "سب کچھ" ہو سکتا ہے۔

بہرحال میڈم کا فرمان سر آنکھوں پر۔ کیونکہ قومی غیرت، اسلامی حمیت کے الفاظ ہی جب بے معنی ہو کر رہ گئے تو غلامی کی ہر ادا پر مر مٹنے کے بغیر چارہ ہی کیا ہے : ے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔

فرش تا عرش

پروفیسر باغ حسین کمال

دورانِ تعلیم میرے سامنے تین منازل تھیں۔ اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ ملازمت اور اعلیٰ سوسائٹی۔ گورنمنٹ کالج چکوال سے ایف۔اے کرنے کے بعد خانگی مجبوری کے تحت سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ میونسپل آفس چکوال میں بطور کلرک ملازمت کا آغاز کیا۔ اور پرائیویٹ طور پر منشی فاضل، بی۔ اے، ایم۔ اے (اردو۔ پنجابی) کے امتحانات پاس کئے اور کلرکی سے لیکچررشپ تک ایک صبر آزما جدوجہد جاری رکھی۔ اسی دوران میرے ذوقِ ادبی میں نکھار پیدا ہوتا چلا گیا۔ اور یوں میرے روابط و مراسم اعلیٰ سوسائٹی کے افراد سے بھی استوار ہوتے رہے۔ ایک قلمکار کی حیثیت سے نگارشات ممتاز رسائل و جرائد اور ریڈیو سے منظرِ عام پر آنے لگیں۔ ایک بے نام سے کرب اور مسلسل اضطراب نے شعر و سخن کی بزم آرائیوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی۔ آوارگی کا یہ عالم تھا کہ صبح دم گھر سے نکلتا اور فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے بعد رات گیارہ بجے تک گھر سے غائب رہنا برسوں کا معمول بن گیا۔ رات کو تھکا ہارا جب بستر پر دراز ہوتا اور دن بھر کی مصروفیات کے "حاصل" کو سامنے دیکھتا تو بے چینی میں کچھ مزید اضافہ ہو جاتا۔ ایک نامعلوم سا خلا تھا۔ جو اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ ملازمت، اور اعلیٰ سوسائٹی اور رنگین محفلوں کے باوصف اپنے اندر شدت سے محسوس کرتا رہا۔ "نئی روشنی" نے دین سے بیزاری بخشی تھی۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہ نامساعد حالات میں اپنی "منازل" کے حصول کے باوجود یہ نامعلوم سی بے قراری کیوں دل کا مستقل روگ بن چکی ہے۔ دِل سے پوچھتا ہے

دلِ ناداں! تجھے ہُوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے۔

ـــــ اور اس درد کی دوا کی تلاش میں ـــــ

چند پیر خانوں پر بھی حاضری دی مگر وہاں کے ماحول سے طبیعت کا تکدر فزوں تر ہو گیا۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا کروں ـــــ ایک دن گھر میں تنہا لیٹا تھا کہ دن بھر کی آوارہ گردی سامنے آئی۔ بے چینی بڑھی تو عجیب بے بسی کی کیفیت میں بے اختیار میری زبان سے بلند آواز میں تین بار اللہ، اللہ، اللہ نکلا۔ آواز دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی اور اس میں کچھ اتنا درد، اتنا کرب تھا کہ خود مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں موم کی طرح پگھل چلا ہوں۔

دوسرے روز پاک ہوٹل چکوال (جو میری ادبی سرگرمیوں کا اڈہ تھا) میں بیٹھے بیٹھے اچانک دل میں خیال پیدا ہوا کہ منارہ چلنا چاہیے دیکھیں تو سہی بھائی قاضی غلام علی صاحب (حلقہ کے ابتدائی ساتھی) وہاں جا کر کیا کرتے ہیں۔ ایک آدھ گھنٹہ وہاں گذار کر وہاں سے واپسی پر کلر کہار میں سیر و تفریح کریں گے اور شام کو چکوال لوٹ آئیں گے یہ خیال آیا۔ باہر نگاہ پڑی تو اعوان بس سروس کی لاری ہوٹل کے سامنے سے رینگ رہی تھی۔ لپک کر اس میں بیٹھ گیا۔

اڑھائی بجے منارہ مڈل سکول کے گیٹ پر پہنچا تو وہاں ہو کا عالم تھا۔ چند قدم آگے بڑھا تو اچانک ایک ایسی آواز آئی کہ جیسے یکدم شہد کی مکھیوں نے یلغار کر دی ہو۔ گھبرا کر اوپر ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی مکھی نظر نہ آئی۔ حیران ہوا یا اللہ کیا ماجرا ہے۔ آواز تو مکھیوں کی سی ہے مگر مکھیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ آدمی بھی نظر نہیں آتا شاید کسی اور مقام پر اجتماع ہو۔ اچانک ایک بابا جی ایک کمرے سے برآمد ہوئے۔ پوچھا "بابا جی! چکڑالے والے حضرت صاحب کہاں آئے ہوئے ہیں؟" "یہیں ہیں" جواب ملا۔ "ان کے مرید کہاں ہیں کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا؟" استفسار کیا۔ کہنے لگے وہ سب ذکر کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ "ذکر کی آواز ہے" بتایا گیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا یہ کیسا ذکر ہے؟ کہنے لگے آگے بڑھ کر دیکھ لیں۔ آگے بڑھا۔ کمرے میں جھانکا تو بہت سے حضرات کو عجیب انداز اور بے خودی کے عالم میں بڑی تیزی سے سر ہلاتے اور زور زور سے سانس لیتے ہوئے دیکھا۔ یہ ہیئت دیکھ کر حیرت اور تذبذب کی ملی جلی کیفیت میں چند منٹ کھڑا یہ منظر دیکھا کیا۔ اچانک ذکر بند ہو گیا۔ اب سب لوگ ساکت و صامت بیٹھ گئے۔ کچھ دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد دعا مانگی گئی اور سب لوگ باہر نکل آئے۔ اتنے میں پروفیسر حافظ شریف صاحب باہر نکلے۔ غیر متوقع طور پر مجھے وہاں دیکھ کر زیر لب مسکرائے۔ پوچھا "پیر صاحب کہاں ہیں؟" "پیر صاحب نہیں استاد صاحب"۔ انہوں نے گویا تصحیح کرتے ہوئے کہا اور سامنے کمرے کی طرف اشارہ کیا ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے حاضرین نے حضرت جی کے کمرے کا رخ کیا اور ہمارے پہنچنے پر وہاں تل دھرنے کو

جگہ نہ تھی ۔ میں کمرے میں داخل ہُوا۔ اور ایک کونے میں جگہ ملی۔

استادِ مکرم کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ سادگی کی تصویر۔ اس شخصیت میں بلا کی کشش تھی سادہ سی چارپائی پر سادہ سا بستر لگا ہُوا تھا اور آپ سادہ سے لباس میں ملبوس ساتھیوں میں نیچے دری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پیروں کی سی مصنوعی وضع قطع اور تسبیح و ہچ نام کو بھی نہ تھی۔ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ ٹھیٹھ پنجابی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے جب مفسرین و محدثین کے حوالے دیئے اور مختلف نکات کی وضاحت فرمائی تو یوں محسوس ہُوا جیسے علوم کا سمندر موجزن ہو۔ اتنے میں چائے آگئی وہیں حاضرین میں چائے تقسیم کی گئی۔ استادِ صاحب بولتے رہے، لوگ سنتے رہے کہ اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ سب لوگ اٹھے اور مسجد کو چل دیئے۔ میں تذبذب میں پڑ گیا کہ کیا کروں۔ نماز تو میں نے عید پر بھی کم ہی پڑھی تھی۔ پھر خیال آیا۔ یہاں اکیلے بیٹھنا اچھا نہیں۔ چلو آج نماز پڑھ ہی لیتے ہیں۔ نماز کے بعد حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب اٹھے اور گویا ہوئے۔ "اب ذکر ہوگا۔ کچھ نئے احباب نظر آرہے ہیں۔ وہ ذکر کا طریقہ سمجھ لیں۔"

مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے روئے سخن میری طرف ہو۔ موصوف نے طریقِ ذکر (پاس انفاس) اور لطائف کے مقامات کی نشاندہی فرمائی۔ اب دل میں پہلا خیال تو یہ پیدا ہُوا کہ میرا ذکر سے کیا واسطہ۔ نماز پڑھ لی ہے۔ اب چلنا چاہیئے۔ پھر خیال گذرا کہ میری ہپیوں کی سی وضع قطع دیکھ کر یہ لوگ حیران ہو رہے ہیں۔ یوں محفلِ ذکر سے اٹھنے پر مزید نگاہوں کا نشانہ بن جاؤں گا۔ اس لئے چپکے سے بیٹھا رہتا ہوں۔ مگر جب ذکر شروع ہُوا تو میری سانس بھی بلا ارادہ اللہ ھُو کرنے لگی۔ حافظ صاحب جب لطائف بدلنے پر ان کے نام گنواتے رہے تو میرے ذہن میں حضرت سلطان باہوؒ کی سی حرفی کا بند گونجنے لگا۔ ؎

ج جنہاں عشق حقیقی پایا مونہوں نہ کجھ الاون ھُو
ذکر فکر وچ رہن ہمیشہ دم نوں قید لگاون ھُو
سری، قلبی، روحی، صوری، اخفی، خفی کماون ھُو
میں قربان تنہاں توں باہُو! جہڑے اِکس نگاہ جگاون ھُو

ذکر کے دوران محسوس ہُوا کہ یہاں محض پیر صاحب کی زیارت ہی کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ عملی طور پر راہِ طریقت پر گامزن بھی کیا جاتا ہے۔ ذکر کے بعد سکول میں حضرت جی کی مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔ کچھ عجیب سکون پرور فضا تھی کہ وہاں سے اٹھنے کو جی نہ چاہا اور گھر جانے کی بجائے رات وہیں قیام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک اور خاص چیز مشاہدہ میں آئی کہ تقریباً تمام لوگ ڈاڑھی سے چہرہ مزیّن کئے ہوئے تھے۔ حافظ صاحب سے پوچھا یہ اتنے سارے مولوی صاحبان کہاں سے آگئے ہیں۔ حافظ صاحب نے ایک صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ وہ مولوی کرنل مطلوب حسین اور ان کے ساتھ "مولوی میجر احسن بیگ ہیں۔ یوں پتہ چلا کہ ان "مولوی صاحبان" کی اکثریت استادِ مکرم کی

خدمت میں آنے سے پہلے " بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست " کے مقولہ پر عمل پیرا تھی۔ مگر مردِ کامل کی توجہ، محبت، کیمیا اثر اور نگاہِ فیض نے ان کی کایا پلٹ دی۔ اور انہیں کلبوں سے نکال کر مسجدوں میں لا بٹھایا۔

تھوڑی دیر بعد کھانا آگیا۔ کرنیل اور سپاہی محمود و ایاز کا منظر پیش کرتے ہوئے ایک ہی دستر خوان پر ما حضر تناول فرمانے لگے۔ اتنے میں آوازِ اذان بلند ہوئی تو سب لوگ مسجد کی طرف لپکے نماز کے بعد حضرت جی نے خود ذکر کرانا شروع کیا لطائف کے دوران عجیب کیف و سرور کا عالم تھا۔ بعد ازاں مراقبات ہوئے۔ حضرت نے فرمایا نئے ساتھی قلب پر دھیان کر کے خیال کے ساتھ ذکر جاری رکھیں۔ مراقبات میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد جب احدیت، معیت، اقربیت، سیرِ کعبہ، روضۂ اطہر اور مسجد نبویؐ کے الفاظ گونجنے لگے تو یوں محسوس ہوا کہ عالمِ بالا کا کوئی سفر ہے جس پر یہ "قافلۂ سالکان جادہ پیما ہو چکا ہے۔ اور میں پیچھے بے دست و پا بیٹھا ہوں۔ اس کے بعد نمازِ عشاء ادا کی گئی اور سکول کے سنگلاخ صحن میں گھروں میں نرم گدیلوں پر محوِ استراحت ہونے والے یہ " مولوی " حضرات عام سی صفوں پر دراز ہو گئے۔ مجھ سے کسی نے پوچھا بستر ہے؟ نفی میں جواب ملنے پر ایک صاحب نے تکیہ دوسرے نے کھیس تیسرے نے چادر فراہم کر دی۔ میں ہر چند لینے سے انکار کرتا رہا مگر ان اللہ کے بندوں نے اپنی ضرورت کو نظر انداز کرتے ہوئے میری راحت کا سامان مہیا کر دیا۔ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ اچانک کسی نے پاؤں دابنے شروع کر دئیے۔ " بھائی جان! اٹھئے، تہجد کا وقت ہو گیا ہے۔" بادلِ نخواستہ اٹھا۔ پتہ چلا کہ نوافلِ تہجد یہاں کا لازمی پروگرام ہے۔ نوافل کے بعد جب حضرت جی نے ذکر کرانا شروع کرایا تو بے وقت اٹھنے کے تکدّر نے بے حد خوشگوار صورت اختیار کر لی ذکر کے بعد نمازِ فجر کے لئے مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد امام صاحب نے دعا مانگی اور خود مصلّٰی سے اٹھ کر صف اول میں آکر بیٹھ گئے۔ پچھلی صف سے ایک لمبا تڑنگا شخص اٹھا اور امام صاحب کی جگہ مصلّٰی پر براجمان ہو گیا۔ اس کی دیہاتی اور جٹکی وضع قطع اور ڈیل ڈول دیکھ کر خیال آیا کہ اس شخص کو یہ کیا سوجھی ہے۔ اتنے میں کسی نے اس کو قرآنِ حکیم پیش کیا۔ اس نے کتابِ مقدس کو چوما، کھولا اور جہاں سے کھل گیا۔ دائیں طرف کے صفحہ مبارک پر نگاہ ڈالی۔ چند آیات تلاوت کیں۔ قرآن پاک بند کیا اور لب کشائی کیا کی کہ گویا ایک دلبستان کھل گیا۔ ابھی چند جملے ہی اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ میں جیسے زبان و بیان کے حسن اور الفاظ و تراکیب کے جمال کے حصار میں آگیا۔ ۳۵ منٹ کے اس بیان میں یوں محسوس ہوا جیسے قرآنی مفاہیم کو خوبصورت ترین اسلوب بیان کے سانچے میں ڈھال کر سامعین کے قلوب میں اتارا جا رہا ہے۔ میں خود شاعر و ادیب ہوں،

بڑے بڑے دانشوروں اور علماء کی تقاریر سننے کے مواقع بھی ملتے رہے مگر کچھ عجیب سا سحر تھا۔ جس نے دل و دماغ کی دنیا میں ایک زلزلہ سا پیدا کر دیا۔ بیان کے بعد میں نے حیرت میں ڈوبتے ہوئے حافظ شریف صاحب سے پوچھا۔ یہ مولانا کون ہیں؟ ان کی زبان و بیان میں عجیب رس، حسن، شیرینی اور اثر آفرینی ہے۔ میں نے ایسی تقریر پہلے کبھی نہیں سنی۔ ہنس کر فرمانے لگے۔ "یہ منارہ یونیورسٹی کے چانسلر ہیں"۔ میں نے احتجاج کیا دل لگی چھوڑیئے۔ صحیح تعارف کرائیے کہنے لگے یہ نادر سیقی والے کا بھانجا ملک اکرم ہے جو کسی زمانہ میں ماموں سے چند قدم آگے رہتا تھا۔ مگر اب حضرت مولانا محمد اکرم منارہ ہیں۔ نادر علاقہ ونہار کی ایک معروف شخصیت ہے۔ اس لئے پس منظر تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ مزید حیرت میں غلطاں ہوتے ہوئے دوبارہ عرض کیا" مگر یہ زبان و بیان، یہ قرآنی تفسیر میں عجیب وغریب نکات، معاملہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ فرمانے لگے یہ سب کچھ حضرت جی کی تربیت اور توجہ کا اثر یا حضرت کی کرامت سمجھ لیجئے۔ مسجد سے اٹھ کر سکول میں آ گئے۔ حضرت صحن میں دری پر تشریف فرما ہوئے۔ سب ساتھی یوں اردگرد بیٹھ گئے جیسے چاند کے گرد ستارے ہوں۔ علم و حکمت کے موتی لٹائے جانے لگے۔ باتوں میں سادگی اور پرکاری تھی کہ براہ راست دل میں کھبتی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کسی ضرورت کیلئے اٹھا تو ایک کونہ میں کتابوں کا ایک سٹال لگا دیکھا۔

"دلائل السلوک" اٹھالی اور پھر دھریک کے سایہ میں بیٹھ کر جو پڑھنا شروع کیا تو ایسا منہمک ہوا کہ تین صد صفحات کی کتاب اول تا آخر ایک ہی نشست میں پڑھ کر اٹھا۔ زندگی میں یہ پہلی کتاب تھی جو میں نے ایک ہی نشست میں اول تا آخر اس یکسوئی کے عالم میں مطالعہ کی ہو۔ مطالعہ کے بعد دل و دماغ کی دنیا میں جیسے بھونچال سا آ گیا ہو۔ اور کج فکری اور بے یقینی کے بادل یکسر چھٹ گئے ہوں۔ سکون و اطمینان اور ایمان و ایقان کی ایک لازوال قوت سے دل معمور ہو گیا۔ اور محسوس ہوا کہ یہی وہ خلا تھا جسے پر کرنے سے دنیوی نعمتیں اور محفل ہائے رنگین یکسر عاری تھیں۔

اسی روز شام کو ایک کیفیت یہ طاری ہوئی کر زبان پر درود شریف جاری ہو گیا۔ سگریٹ کی طلب پر باہر نکلا کہ کہیں بیٹھ کر کش لگاؤں۔ سگریٹ سلگایا تو اچانک خیال آیا کہ میں تو درود شریف پڑھ رہا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بے حد نفیس طبع کے مالک تھے۔ کچا پیاز نہیں کھاتے تھے کہ اس کی بو ناخوشگوار اثرات مرتب کرتی ہے۔ اب اگر تمہارا یہ درود سگریٹ کے بدبودار دھوئیں میں ملوث ہو کر پہنچا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ناگواری کا موجب بنے گا۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی سگریٹ پھینک دیا اور پھر ہمیشہ کیلئے اللہ کریم نے اس خباثت سے محفوظ فرما لیا۔

اس روز ہی ذکر کے دوران کچھ انتہائی خوبصورت نقش
و نگار سینما کی فلم کی طرح نگاہوں کے سامنے سے گزرنے
لگے۔ ایسی چتر کاری کے دلآویز نمونے اور رنگوں کا حسین
امتزاج جو مسجد وزیر خان لاہور کی نقاشی سے بھی
ہزاروں درجہ دلفریب تھا۔ ذکر کے بعد ایک ساتھی نے پوچھا
کمال صاحب! کوئی انوارات وغیرہ بھی نظر آئے ہیں۔
میں نے بتایا کہ آج چتر کاری کے عجیب وغریب
نمونے دیکھے ہیں۔ وہ کہنے لگے۔ آؤ آپ کو حکیم صاحب
کے پاس لے چلوں۔ ہیں حکیم صاحب! میں تو ٹھیک
ٹھاک ہوں، کسی حکیم کے پاس کیوں جاؤں۔ ہنس کر کہنے
لگے۔ میرا مطلب ہے آپ کو حکیم محمد صادق صاحب کے
پاس اس لئے لے چلتا ہوں کہ وہ صاحبِ کشف ہیں۔
انہیں لطائف کا پتہ چل جاتا ہے کہ کس حالت میں ہیں
ان کے پاس گئے۔ اسی دوست نے میرے بارے میں
کہا کہ ان کے لطائف دیکھئے! حکیم صاحب نے میرے
سینے پر نظر ڈالی اور دوسرے لمحے کہنے لگے۔ ان کے
تین لطائف منور ہو چکے ہیں اور دو ذرا مدھم ہیں۔ کل
صبح کے معمول کے نتیجہ میں وہ بھی انشاءاللہ تعالیٰ چمک
اٹھیں گے۔ میں نے حیرت زدگی کی حالت میں پوچھا۔
آپ کو کیسے پتہ چلا؟ مسکرا کر فرمانے لگے آپ کو
جو نقش و نگار نظر آتے ہیں۔ ان میں سبز، سرخ اور
سنہری رنگ تھے نا؟ سیاہ اور نیلے رنگ نظر
نہیں آتے ہوں گے۔ جب یہ نظر آجائیں تو سمجھ
لیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ
کے سب لطائف منور ہو گئے۔ مگر اتنی جلدی؟
جی ہاں! حضرت جی سالوں کا سفر دنوں میں طے کراتے
ہیں۔" چنانچہ وہی ہوا۔ عشاء اور سحری کے معمول کے
بعد دوسرے دن ظہر کے معمول میں جب نقش و نگار
نظر آئے تو ان میں ٹہنیاں سیاہ رنگ کی، پتے سبز
اور پھول سنہری، سرخ اور نیلگوں تھے۔

حالت یہ تھی کہ صبح ہوتی تو سوچتا کہ شام کو گھر چلا جاؤں گا
آج دن یہیں گزار لوں۔ شام ہوتی تو کہتا رات گزار لوں
صبح چلا جاؤں گا۔ ایک آدھ گھنٹہ گزارنے کے لئے آیا تھا
مگر چار دن بیت گئے۔ یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا
تھا۔ آخر سوچا بغیر اطلاع گھر سے آیا ہوں۔ اہل خانہ پریشان
ہوں گے۔ بادلِ نخواستہ ایک شام کو گھر لوٹ آیا۔ پندرہ
سالوں میں یہ پہلا دن تھا کہ چکوال پہنچ کر شاعری کے
اڈہ پر گئے اور کسی دوست سے ملے بغیر سیدھا گھر چلا گیا۔
غروبِ آفتاب کے وقت گھر پہنچا۔ اہلیہ نے پوچھا کہیں
مشاعرہ میں گئے ہوئے تھے؟ نہیں میں تو منارہ میں گیا
ہوا تھا۔ جہاں بھائی غلام علی صاحب جایا کرتے ہیں۔
آپ کیسے چلے گئے؟ اور اتنے دن وہاں کیا کرتے رہے؟
یونہی چلا گیا تھا۔ وہاں نماز پڑھتا اور ذکر کرتا رہا ——
"نماز بھی پڑھتے رہے"۔ اہلیہ نے حیرت سے پوچھا
ہاں نماز پڑھتا رہا۔ "یقین نہیں آرہا"۔ "تم مصلیٰ
تو نکالو۔ میں وضو کرتا ہوں"۔ "آپ مذاق کر رہے ہیں"۔
میں کوئی جواب دئے بغیر لوٹا لے کر وضو کرنے بیٹھ گیا۔
نماز پڑھنے کے بعد ذکر کیا۔ کھانا کھایا۔ عشاء کی نماز ادا کی۔
اور بستر پر دراز ہو گیا۔ دعا کرنے لگا۔ خدایا! صبح کی
نماز نصیب فرما دے۔ وہاں تو تہجد نصیب ہو جایا کرتی تھی۔

یہاں صبح کی نماز بھی ادا کر لوں تو بڑی بات ہے۔ اس لیئے کہ میرے لیئے صبح دم جاگنا کارے دارد والا معاملہ رہا ہے۔ گہری نیند کی آغوش میں تھا کہ دفعتاً جھٹکا سا لگا آنکھ کھل گئی۔ جھٹکے سے سرور کی عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ گھڑی دیکھی تو وہی وقت تھا جب منارہ میں نماز تہجد کے لیئے جاگنے کا معمول تھا۔ الحمدللہ کہا وضو کیا۔ نوافل پڑھے۔ ذکر کیا۔ صبح کی نماز ادا کی۔ حسبِ معمول ناشتہ کیا۔ ڈاڑھی کئی دنوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ شیو کرنے بیٹھ گیا۔ چہرے پر صابن لگایا۔ سیفٹی ہاتھ میں لی تو دفعتاً خیال آیا کہ اب تک نفس کو خوش کرنے کیلئے کیا کیا فیشن اپنائے ہیں۔ بالوں کے کیا کیا سٹائل بنائے ہیں۔ لباس کے کیا کیا ڈیزائن اختیار کیئے ہیں۔ اب اگر اللہ کے راستے پر چل نکلے ہو اور اس پر یقین ہے تو پھر کم از کم حلیہ ہی رسولِ کریم ﷺ جیسا بنالو۔ اس خیال کے آتے ہی ہاتھ رک گیا۔ سیفٹی کا رخ بدل گیا اور اب خط کی صورت اختیار کر لی۔ اور چہرے کو ڈاڑھی کی سنت سے اسی آن مزین کر لیا گیا۔ اہلِ خانہ کو خدا حافظ کہا اور دوبارہ منارہ کی راہ لی۔ لوگ اس یکبارگی کایا پلٹی اور انقلاب کا ماجرا پوچھتے تو یہی جواب دیتا کہ پہلے میرے سامنے صرف دنیا تھی اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ ملازمت اور اعلیٰ سوسائٹی۔ اب آنکھوں سے پٹی اتر چکی ہے اور اگلی زندگی بھی صاف سامنے نظر آنے لگی ہے اور وہی حقیقی اور دائمی زندگی ہے۔ اس عارضی زندگی کو بنانے سنوارنے کیلئے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب یہ احساس دامنگیر ہے کہ اصلی کامیابی اور شادمانی تو آخرت کی کامرانی ہے اور اس کیلئے اللہ کریم اور رسولِ کریم ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کے سوا چارہ نہیں۔

حلقۂ ذکر میں داخل ہونے کے بعد دعوتِ ذکر کا احساس کچھ اس انداز سے دل میں پیدا ہوا کہ جی چاہتا کہ چیخ چیخ کر ہوکا دوں کہ تشنہ کامو! آؤ اور اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے جی بھر کر پیاس بجھاؤ۔ کچھ خوش بخت ایسے تھے کہ پہلی آواز پر ہی لبیک کہتے ہوئے آئے اور خوب ہوئے۔ مگر کچھ بدنصیب ایسے بھی تھے کہ بار بار ہوکا سنا مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

استادِ مکرم کے فیضانِ نظر کی کچھ عجیب اور نرالی شان، تاثیر اور کیفیت تھی۔ ۲۹ جولائی ۱۹۷۵ء (حلقے میں میرا پہلا دن) سے ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء تک مسلسل دیکھتا رہا ہوں کہ تشنہ کامانِ حق جوق در جوق آتے رہے اور سیراب ہو ہو کر جاتے رہے جو بھی آیا ظرف و استعداد کے مطابق بامراد گیا۔ اور ہر کسی پر اللہ اور رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ چڑھا دیا۔

افسوس! صد افسوس، کہ بحرالعلوم، قلزمِ فیوض، آفتابِ رشد و ولایت استادِ مکرم امر ربی کے تحت ہم ناتوانوں کو عظیم بارِ امانت سونپ کر عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔ ان کے فیضِ صحبت و نگاہ نے نجانے کتنے سنگریزوں کو رشکِ لعل و گوہر بنا دیا۔ کتنے اپاہجوں کو وہ بال و پر عطا کیئے کہ ہفت افلاک اور عرشِ عظیم ان کی روحوں کی جولان گاہ بن کر رہ گئے کتنے ناکاروں کو روحانی طور پر حضور ﷺ کے دربارِ اقدس میں باریابی کے بے مثال شرف سے سرفراز فرمایا۔ ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رح فرماتے ہیں:

لباسِ فہم بر بالائے او تنگ۔ سمندر ہم در صحرائے او لنگ

بلا مبالغہ و بلا شبہ چشمِ گیتی کو ایسے مردِ حق آگاہ و دانائے راز کو دیکھنے کیلئے صدیوں تک بارِ انتظار کھینچنا پڑتا ہے۔ بقول حضرت اقبال رح ؎

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات۔ تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

رفیقِ نبوّت

(صادق حسین طارق ۔ ایم ۔ اے)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ

(القرآن)

وہ بے شک عطر مجموعہ ہیں اوصاف حمیدہ کے
پسند اللہ کو ہر خصلتِ صدیق اکبرؓ ہے

آپ پیکرِ صدق و وفا، جری، مستقل مزاج اولوالعزم، اور عظیم المرتبت انسان ہیں۔ آپ کی عظیم المرتبت شخصیت تاریخِ اسلام میں حضور سید الابرار محبوبِ پروردگار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وفادار اور مخلص دوست کی حیثیت سے مشہور ہے۔ قرآن مجید نے آپ کو ثانی اثنین کے لاثانی اعزاز سے نوازا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں پشت میں مرّہ بن کعب بن لوی سے مل جاتا ہے۔ آپ نجیب الطرفین ہیں۔ آپ کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت مبارک کے دو سال بعد ہوئی۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہؓ اور والدہ کا اسمِ گرامی حضرت سلمٰی اُمّ الخیر ہے۔ کہتے ہیں حضرت سلمٰی کی اولاد زندہ نہ رہا کرتی تھی۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کو گود میں لئے خانہ کعبہ آئیں اور دُعا کی اے اللہ! میرے اس بچے کو موت سے بچا۔ اور آپ کا نام عبد الکعبہ رکھا۔ جب آپؓ نے اسلام قبول کیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ ابوبکر آپ کی کنیت۔ صدیق اکبر اور عتیق لقب ہیں۔ دنیائے اسلام میں ادب و احترام کی وجہ سے شاذ و نادر ہی کوئی آپ کا نام لیتا ہے۔ عموماً لوگ آپ کو صدیق اکبرؓ کے معزز خطاب سے پکارتے ہیں۔

قدرتِ کاملہ نے آپ سے بہت سے کام لینے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر جگہ اور ہر مقام پر آپ کی حفاظت کی۔ آپ ہر قسم کے معائب و معاصی اور ایامِ جاہلیت کے رسم و رواج سے قطعاً محفوظ اور مامون رہے۔ بچپن ہی سے رسولِ کریمؐ سے

دوستی ہوگئی اور عمر کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی گئی۔

آپ مالدار قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ تجارت مشغلۂ زندگی تھا۔ نہایت پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی تھی۔ آپ انساب عرب سے خوب واقف اور حالاتِ امم سے بخوبی آگاہ تھے۔ اہلِ قریش میں بڑے معاملہ فہم تسلیم ہوتے تھے۔ دارالندوہ میں جو اہم معاملہ پیش آتا تھا اس میں آپ کی رائے بے حد اہم اور باوقعت تصور کی جاتی تھی۔ انکسار اور فروتنی کے پیکر تھے۔ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اتقاء و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی جھوٹ نہ بولا اور شراب نہ پی۔ جب کوئی مکہ میں قتل ہو جاتا تو خون بہا کی رقم متعین کرنا اور قاتل کو کفالت و حراست میں رکھنا آپ ہی کا مخصوص منصب تھا۔ اس سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ قبائلِ عرب میں آپ کو کیا قدر و منزلت حاصل تھی۔

آپ فطرتاً نرم دل اور بنی نوعِ انسان کے ہمدرد و مخلص تھے۔ آنکھوں میں مروت، دل میں دردمندی اور خوفِ خدا تھا۔ کسی کو بھی مصیبت میں نہ دیکھ سکتے تھے۔ جہاں تک ممکن ہوتا خدا ترسی اور فیاضی سے کام لیتے۔ جود و کرم کے خداداد جواہر موجود تھے۔ غریبوں کی خبر گیری کرتے، محتاجوں کا پیٹ بھرتے اور مظلوم غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ پدرِ بزرگوار نے جو یہ حال دیکھا کہ آپ اکثر کمزور، ناتواں اور از کار رفتہ غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے رہتے ہیں تو کہا کہ ایسے بیکار غلاموں پر روپیہ خرچ کرنے سے کیا حاصل ہے؟ اگر تم توانا تندرست اور بہتر کام کرنے والے غلاموں پر روپیہ لگاؤ تو تمہارے کام بھی آئیں اور تمہاری عزت میں بھی اضافہ ہو۔ آپ نے جواب دیا۔ "میں یہی کر رہا ہوں آخرت میں یہی کمزور، مظلوم اور از کار رفتہ غلام کام آئیں گے۔ اور انہی سے عزت و وقار ملے گا۔"

نزولِ وحی کے زمانہ میں آپ بسلسلہ تجارت شام گئے ہوئے تھے۔ واپس لوٹے تو قریش کے کئی سردار آپ سے ملنے گئے۔ اثناءِ گفتگو میں حضرت صدیق اکبرؓ نے تازہ واقعات دریافت کئے تو انہوں نے کہا "سب سے بڑی اور سب سے بُری خبر یہ ہے کہ عبدالمطلب کے یتیم پوتے نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے انسداد کے متعلق ہم سوچ رہے ہیں۔ لیکن تمہارے آنے کا انتظار تھا۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ کیا کرنا چاہیئے۔" آپ نے ان کو ٹال دیا اور خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے نبوت اور رسالت کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تو اسی جلسہ میں قبولِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا تو اس میں ایک قسم کی جھجک ضرور پائی۔ مگر ابوبکرؓ، جس وقت میں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے بے جھجک اسلام قبول کر لیا۔"

آپ مکہ کے ذی اثر انسان تھے۔ جب آپ نے اسلام قبول کر لیا تو خود بخود لوگوں کو اسلام کی تحریک ہوئی

بلکہ خود آپ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ یہ وہ پُر خطر زمانہ تھا جس میں خود اپنے اسلام لانے کا اظہار کرنا ہی جان جوکھوں کا کام تھا چہ جائیکہ دوسروں کو اس کی تبلیغ کرنا۔ چنانچہ اشرافِ قریش کی ایک جماعت آپ ہی کی سعی سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت عثمان غنیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف رضی اللہ عنہم آپ ہی کی مساعی و تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ یوں تو اور بھی بہت سے صحابہؓ ہیں جنہوں نے آپ کی تبلیغ پر نورِ اسلام پایا۔ مگر یہ پانچ احباب وہ ہیں جن کے مسلمان ہو جانے سے کفر اور ظلمت کی تیز چھری کند ہو گئی۔ یہ حضرات مکرم مکہ کے ذی اثر قبائل میں سے تھے اور ان میں سے ہر ایک شخص اپنے قبیلہ میں باعزت و باوجاہت تھا۔

آپ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے اپنی تمام دولت نثار کر دی۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو مالِ تجارت کے علاوہ آپ کے پاس چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ آپ نے یہ تمام رقم اشاعتِ اسلام میں خرچ کر دی۔ سات غلاموں کو جو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ظلم و ستم کا شکار تھے خرید کر آزاد کر دیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ راہِ خدا میں اپنا مال دیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ اپنے گھر کا آدھا مال اٹھا لائے اور حضرت عثمان غنیؓ نے پانچواں حصہ لشکرِ اسلام کا بندوبست کیا۔ مگر آپ اپنے گھر کا سب مال و متاع اٹھا لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی "اہل وعیال کے لئے میں نے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑا ہے"۔

پروانے کو چراغ اور بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

آپ کی ان قربانیوں اور ایثار کا نتیجہ تھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے سب لوگوں کا حق ادا کر دیا ہے سوائے ابوبکرؓ کے۔ اس کا حق اللہ تعالیٰ ادا کرے گا"۔ (مفہوم حدیث) آپ نے تمام عمر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں بسر کر دی۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے ہم ان کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آگیا تھا۔ انصارِ مدینہ میں خلافت کا خیال پیدا ہو گیا۔ ثقیفہ بنی ساعدہ میں ان کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس کا مقصد انتخابِ خلیفہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ ان میں سے ہو۔ یا کم از کم ایک خلیفہ انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے ہو۔ اس طرح کے دو تفرقہ مسلمانوں کے افتراق و انتشار کا سبب بن جاتے۔ اس لئے آپ حضرت عمرؓ کی معیت میں ثقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ حالات کا جائزہ لیا۔ آپ نے انصار کی مہربانیوں کا ذکر کیا۔ اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ آخر سب نے بالاتفاق آپ کو اپنا خلیفہ چن لیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر

بیعت کرلی۔ دوسرے دن بیعتِ عام ہوئی۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تاہم اب میں تمہارا خلیفہ منتخب کر لیا گیا ہوں۔ راستی پر چلوں تو میرا ساتھ دو۔ گمراہ ہو جاؤں تو مجھے سیدھی راہ پر لے آؤ۔ سچ امانت ہے۔ جھوٹ غداری ہے تم میں سے جو کمزور ہوگا وہ میرے ساتھ توانا ہو جائیگا تا آنکہ اسے اس کا حق مل جائے اور تم میں سے جو توانا ہو جائیگا وہ میرے ساتھ کمزور ہو جائے گا تا آنکہ اس سے وہ لے لیا جائے جو اس پر واجب ہوگا۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کروں تو تم میری نافرمانی کرو۔"

اس طرح آپ نے حقیقی اسلامی اخوت کی طرح ڈالی۔ خلافت کے ابتدا ہی میں بڑے بڑے فتنے رونما ہوئے۔ ایک طرف مسیلمہ کذّاب اور دیگر کاذبین نے پوری فوجی قوت کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا۔ دوسری جانب منکرین زکوٰۃ اور مرتدینِ اسلام میدان میں کود پڑے۔ بڑا نازک وقت آن پہنچا تھا۔ مگر تائیدِ الٰہی نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی حفاظت کی اور تمام فتنوں کا استیصال کر دیا گیا۔ اور ہر معرکہ میں نصرتِ ایزدی نے حضرت صدیق اکبر ؓ کو کامیاب و کامران کیا۔

ساتویں جمادی الآخر ۱۳ھ کو آپ کو بخار ہوا۔ علالت روز بروز بڑھتی گئی۔ آپ نے مختلف صحابہ ؓ سے مشورہ کیا اور حضرت عمر فاروق ؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ وفات سے پہلے جو بیت المال سے وظیفہ لیا تھا واپس کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک اونٹنی، ایک غلام اور ایک چادر بیت المال کو واپس کر دی۔ جب وفات کے بعد یہ چیزیں حضرت عمر ؓ کے پاس پہنچیں تو وہ رونے لگے۔ اور فرمایا:

" اے ابوبکر! تم نے اپنے جانشینوں کے لئے کام بہت سخت اور دشوار کر دیا ہے۔"

مغرب کی نماز کے بعد آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا:

رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ط

" اے رب!

تو مجھ کو مسلمان رکھ کر وفات دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔"

اور عشاء سے پہلے روح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حضرت فاروق اعظم ؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبرِ اطہر کے نزدیک دفن ہوئے۔

قارئین کے خطوط

گورنمنٹ انٹر کالج جہلم

۴ر مارچ ۱۹۸۴ء

برادرِ گرامی! سلام مسنون

آپ کے مضمون "حیوٰۃً طیبۃً" میں ایک لفظ پنہائی (پ ہ ن ا ی) کو پنہائی (پ ن ہ ا ی) لکھا پایا تھا۔ یہی لفظ آپ کی تقاریر میں بھی متعدد بار اسی تلفظ کے ساتھ سنا۔ چونکہ یہ لفظ غلط تلفظ کے ساتھ آپ کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی تصحیح کر لیجئے۔ کیونکہ بعض اوقات معمولی سے لفظ کا غلط تلفظ سامعین پر ناخوشگوار اثر مرتب کر سکتا ہے۔

میرا مادۂ تاریخِ وصال بھی آپ نے ازراہِ نوازش اپنے مضمون کے آخر میں درج فرمایا۔ یہ میرے لئے ایک اعزاز ہے۔ مگر اس میں بندہ نے ایک لفظ فیوض کو فیّوض (مشدّد) باندھا جو سقمِ شعری میں شمار ہوتا ہے۔ سو اس سے بچنے کے لئے میں نے دوبارہ فکرِ سخن کی تو بہت موزوں اور بلیغ تر مادّہ حاصل ہوگیا۔ اس لئے حضرت حافظ صاحب کو یہ دے دیں تاکہ وہ پہلے کی جگہ اسے وہاں درج فرمالیں۔

نیازمند

کمالؔ

مادّۂ تاریخِ وصال

(شیخ العرب والعجم حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ)

(۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء)

میرے استادِ مکرم، قلزمِ فیضانِ عصر
آفتابِ رشد تھے وہ، آسمانِ شکر و صبر
عرش پیما جن کی کرتی تھی توجّہ بے گماں
راہ دشوار تر اب ہو گئی ہے سالکاں!
غیب سے آئی ندا یہ، بہرِ تاریخِ وصال
مصرعۂ اول کا پہلا لفظ باقی سے نکال — باغ حسین کمال

مصرعۂ اول کے پہلے لفظ" میرے" کے اعداد ۲۶۰ اور باقی الفاظ کے اعداد ۲۲۴۴ بنتے ہیں۔ پہلے اعداد کو دوسرے اعداد سے تفریق کرنے پر استادِ مکرم کا سالِ وصال ۱۹۸۴ء برآمد ہوتا ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت اُس کی جامعیت فقہ، حدیث، عقائد، عبادات اور معاملات سے تعلق رکھنے والے ابواب ومباحث کے ماسوا تدبیر منزل خلافت وقضا ابواب معیشت اور آداب صحبت کے مباحث بھی ہیں جو اخلاق ومعاشرت اور تمدن و معیشت سے تعلق رکھتے ہیں اور عام طور پر کسی فقہی یا کلامی کتاب میں ان کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

یہ کتاب اپنی جامعیت عمق، دین وشریعت کی وسیع یکں مربوط ترجمانی اور ان صدہا بیش قیمت نکات وتحقیقات کی بنا پر جو کتاب کے صفحات میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اسلامی کتب خانے میں متعدد حیثیتوں سے بالکل انفرادی شان رکھتی ہے

(بشکریہ الحق)

حُجۃ اللّٰہ البالغہ

(انتخاب و تبصرہ سید ابوالحسن علی ندوی)

شاہ صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب اور علمی کارنامہ "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ جسمیں دین و نظام شریعت کا ایک ایسا مربوط جامع اور مدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ایمانیات، عبادات و معاملات، اخلاق علم الاجتماع و تمدن، سیاست و احسان کو ایک ایسے ربط، تعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہار کے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں اور اُن میں اصول و فروع، مقاصد و وسائل اور دائمی و موقت کا فرق نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتا۔ اس ربط و تناسب کی وجہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فطری سلامت طبع اور اعتدال کے علاوہ اُن کا علم حدیث کا گہرا اور وسیع مطالعہ اور وہ مخصوص مزاج ہے۔ جو حدیث و سیرت کے اشتغال یا مزاج نبوی سے مناسبت رکھنے والے کسی عالم ربانی کی صحبت و تربیت میں پیدا ہوتا ہے۔

کتاب کے ابتدائی حصہ میں شاہ صاحبؒ نے اُن تمہیدی مباحث کو شامل کیا ہے جن سے ہدایت ربانی اور انبیا کی بعثت اور اُن کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ثابت ہو۔ اس پر بڑی اصولی اور بنیادی بحث وہ ہے جو انہوں نے باب "سر التکلیف" کے عنوان کے ماتحت پیش کی ہے۔ اور جسمیں ثابت کیا ہے کہ تکلیف یعنی اوامر و احکام پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کا مکلف بنانا نوع انسانی کے فطری تقاضوں میں سے ہے اور اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ کے حیوانات، نباتات، اور نوع انسانی کے وسیع اور دقیق مطالعہ کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز طبعیات و طب اور نباتات سے واقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے عقلی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ انسانوں کو حیوانات و نباتات سے جو امتیاز حاصل ہے۔ اور اُن میں جو استعدادیں اور جو فطری طلب رکھی گئی ہے وہ زبانِ حال سے تکلیف شرعی اور ہدایت ربانی کا سوال کرتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبادات اور عمل یا شرائع نوع انسانی کا ایسا ہی نوعی تقاضہ ہے جیسا کہ درندوں کا گوشت کھانا بہائم کا گھاس چرنا، اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جزا اور سزا کو تکلیفِ شرعی کا قدرتی تقاضہ بتاتے ہیں

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو) ---- ۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش) ---- ۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ ---- ۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین ---- ۲۵/۰۰
الدین الخالص ---- ۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء ---- ۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب ---- ۱۰/۰۰
تعمیرِ سیرت ---- ۷/۵۰
لغزشیں ---- ۷/۵۰
حضرت امیر معاویہؓ ---- ۷/۵۰
اسرار الحرمین ---- ۵/۰۰
انوار التنزیل ---- ۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟ ---- ۵/۰۰
تعارف ---- ۳/۰۰

خدایا ایں کرم بارِ دگر کن ---- ۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز ---- ۵/۰۰
دین و دانش ---- ۵/۰۰
مغالطے ---- ۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ ---- ۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار ---- ۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ) ---- ۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے ---- ۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی) ---- ۳/۰۰
بزم انجم ---- ۱۵/۰۰
فوزِ عظیم ---- ۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاش رہ ---- ۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد ---- ۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)
ایمان بالقرآن کلاں ---- ۲۰/۰۰

ماہنامہ المرشد

زیر سرپرستی
حضرت العلامہ مولانا
اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاحِ احوال و باطنی اصلاح

سالانہ چندہ
پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع جہلم

سول ایجنٹ مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ: سید مشاہد حسن رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراا پلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255